قد افلح من تزکّٰی و ذکر اسم ربہ فصلّٰی

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

ماہنامہ

المرشد

لاہور

تصوف کیا نہیں

تصوف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے، ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے۔ نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔ (دلائل السلوک)

اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

ماہنامہ
المرشد
لاہور
رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۶۰۷

جلد ۱۸ ذیقعد ۱۴۱۷ھ بمطابق اپریل ۱۹۹۷ء شمارہ ۱۰

مدیر:- تاج رحیم
سرکولیشن منیجر:- رانا جاوید احمد

اس شمارے میں

اداریہ 50 سالہ جشن	تاج رحیم	۳
دین کا دوسرا حصہ	مولانا محمد اکرم اعوان	۴
نواز شریف کے اقتدار کی ریکھائیں	اکبر علی ایم اے	۱۱
رزق طیب و حلال	مولانا محمد اکرم اعوان	۱۶
جذبہ جہاد	ڈاکٹر محمد عالمگیر خان	۲۲
حکمران اور اللہ والے	صاحبزادہ خورشید گیلانی	۲۶
سوال و جواب	مولانا محمد اکرم اعوان	۲۹
کوئی مہاتیر محمد	محمد اظہار الحق	۴۱

پتہ:- ماہنامہ المرشد۔ اویسیہ سوسائٹی۔ کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ لاہور۔ ۵۴۷۷۰

فون نمبر ۵۱۸۰۴۶۷

ناشر:- پروفیسر حافظ عبدالرزاق

انتخاب جدید پریس، لاہور فون: 6314365

ماہنامہ **المرشد** کے

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجددِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ
نشرواشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے (اسلامیات) ایم اے (عربی)

ناظرِ اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

بدل اشتراک

فی پرچہ ۱۵ روپے

	سالانہ	تاحیات
پاکستان	۱۶۵ روپے	۲۵۰۰ روپے
غیر ملکی		
سری لنکا بھارت بنگلہ دیش	۴۰۰ روپے	۴۰۰۰ روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	۹۰ سعودی ریال	۷۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپ	۲۵ سٹرلنگ پونڈ	۱۳۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ	۴۵ امریکن ڈالر	۱۳۰۰ امریکن ڈالر
کینیڈا	۱۵۰ امریکن ڈالر	۱۳۵۰ امریکن ڈالر

50 سالہ جشن

اس سرزمین کے عوام میں یہ اہلیت موجود ہے کہ وہ اپنے وطن کو سنوارے۔ بشرطیکہ لیڈر اور حکمران منزل کی طرف ان کی صحیح رہنمائی کریں۔ لیکن گزشتہ پچاس سال میں ہمارے لیڈروں اور حکمرانوں نے پاکستان کی نئی عمارت کی توڑ پھوڑ اور ڈھانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پھر عوام بھی وہی کچھ کرتی رہی جو حکمرانوں نے کیا۔ یہاں تک کہ ہم نے اپنی دوسری اور تیسری نسل کی عادات میں ہر برائی داخل کر دی اور ایک طرح سے اپنی نسلوں کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیا۔ زندگی کا کوئی شعبہ نہیں چھوڑا جسے سنوارنا تو درکنار' بگاڑ سے ہی بچایا ہو۔

جشن تو خوشی اور فخر کے اظہار کا ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ بھلا کوئی قریب المرگ ماں کے سرہانے ڈھول باجے بجا کر اور بھنگڑے ڈال کر جشن مناتا ہے؟ لیکن ہمارے حکمرانوں نے شاید کسی باقاعدہ منصوبے کے تحت ہمیں ایسے جشن منانے کا عادی بنا دیا ہے۔ اب تو یوں لگتا ہے کہ بے نظیر ٹولے کی حکمرانی کا مقصد ہی صرف یہ تھا کہ ہم اپنی تباہی و بربادی کے دکھ درد کو رنگ رلیوں میں دفن کرنا اپنی فطرت بنالیں۔

گزشتہ نصف صدی میں' اپنے اس ملک' اس سرزمین پاک' اس مقدس ماں کا ایک ایک جوڑا' ایک ایک عضو توڑ کر اسے زندہ درگور کرنے کی خوشی میں جشن منانے کے ایسے ایسے پروگرام ترتیب دیئے گئے تھے کہ غیرت کی کوئی رمق احساس میں باقی رہ گئی ہو وہ بھی جاتی رہے۔ لیکن رب جلیل کے پروگرام میں اس قوم کی موت کا اندراج شاید ابھی نہیں تھا کہ بغیر کسی خون خرابے کے' پرامن تبدیلی پیدا ہوئی۔ پوری قوم نے اس خوش آئند تبدیلی پر لبیک کہا اور ہم نے اپنے نئے حکمران سے ایک بہتر مستقبل کی امید وابستہ کر لی۔ اللہ اسے توفیق دے کہ ہمیں پھر سے مایوسی نہیں بلکہ خوشحالی نصیب ہو اور چھیدوں سے بھری یہ ڈوبتی کشتی کنارے لگ جائے۔

گزشتہ نصف صدی کی بربادیوں میں اتنی تلخیاں ہیں کہ اس پر جشن کے جو پروگرام بے نظیر حکومت نے بنائے تھے ان کے مرچ مصالحے میں تھوڑی بہت تبدیلی ہمارے زخموں پر مرہم کا کام نہیں دے سکے گی۔ خدارا یہ جشن روک دیجئے۔ ہمارے زخم بہت گہرے ہیں کہ نئے حکمران بھی ہماری پچاس سال کی ذلت آمیز زندگی پر جشن منائیں اور قوم کو شادی بیاہ پر سادگی اختیار کرنے کی تلقین فرمائیں؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری امیدیں پھر سے آپ کی نیت پر شک میں بدل جائیں۔ آپ کے پاس کچھ کرنے کو پانچ سال ہیں۔ ان میں کچھ کر دکھایئے۔ پھر آپ نہیں' ہم جشن منائیں گے۔

تاج رحیم

دین کا دوسرا حصہ

مولانا محمد اکرم اعوان

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم - بسم اللہ الرحمن الرحیم - هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق لیظهره علی الدین کله - وکفی باللہ شهیدا

اللہ رب العزت نے بعثت نبوی علی صاحبہ الصلاۃ والسلام کے دو مقاصد ارشاد فرمائے ہیں - یہ یاد رکھ لیجئے کہ قرآن حکیم میں نبوت و رسالت وہ منصب ہے جو من جانب اللہ بندوں کی امامت اور قیادت کے لئے بھیجا جاتا ہے اور لوگوں پر اس کا اتباع لازم ہوتا ہے اسکی اطاعت فرض ہوتی ہے - لفظ رسول ہی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جائے " **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** " جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اس نے اللہ رب العزت کی اطاعت کی - حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی بعثت کے جو دو مقاصد ارشاد ہوئے ان مین بڑی عجیب بات یہ ہے کہ دنیا میں رہنے کے لئے انسان کو اپنی ضروریات کا خیال رکھنا پڑتا ہے اسے بھوک لگتی ہے - دھوپ لگتی ہے ' گرمی لگتی ہے ' سردی لگتی ہے ' اس کی ضروریات ہیں ' اسے گھر چاہئے ' اسے بچے چاہئیں - اسکے والدین ہیں ' اسکے بزرگ ہیں ' ان سارے کاموں کے لئے ' بزنس ہے ملازمت ہے ' پھر کچھ دشمن موجود ہیں - کچھ اس کا بھلا چاہنے والے دوست موجود ہیں - ان سب کے ساتھ کس طرح سے رہا جائے فرمایا میں نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سارے سوالوں کا صحیح ترین جواب دے کر بھیجا ہے بالھدی " ھدی " سے مراد کسی بھی کام کو کرنے کا صحیح طریقہ ہے - ہر کام کے کرنے کا ایک طریقہ ہوتا ہے اور ہر آدمی اسی طریقے سے وہ کام کرتا ہے - فرق یہ ہوتا ہے ہر چہ دانا کند کند ناداں - بعد از خرابی بسیار ' بیوقوف بڑا رسوا ہو کر خراب ہو کر ' پریشان ہو کر دھکے کھا کر وہ کام اسی طرح کرتا ہے جس طرح دانا آدمی آرام سے کر لیتا ہے - ایک شخص کو یہاں سے پنڈی جانا ہے تو اسے اسی سمت سفر کرنا ہے اب اس میں اگر شعور ہے تو وہ پنڈی جانے والی گاڑی میں بیٹھ جائے گا - وہ پختہ سڑک سے جائے گا - وہ آرام سے وہاں پہنچ جائے گا - دو گھنٹے تین گھنٹے میں پہنچ جائے گا اور ایک بیوقوف یہاں سے مغرب کو چل پڑے گا - جنوب کو چل پڑے گا - پیدل چل پڑے گا ' پہاڑوں میں دھکے کھاتا پھرے گا ' پنڈی پنڈی پوچھتا پھرے گا پتہ نہیں کہاں کہاں سے خراب ہونے کے بعد چھ مہینے بعد سال بعد وہ پہنچے گا اسی شہر میں چونکہ اسے جانا وہیں ہے - دار دنیا میں سب نے بسر کرنا ہے - پیٹ بھرنا ہے بچے پالنے ہیں لیکن اس کے لئے وہ کون کون سا راستہ اپنائے گا - کتنا اس میں ذلیل و رسوا ہو گا اور پھر کتنی وہ سرحدیں اور باؤنڈریاں کراس کرے گا - اگر ایک آدمی یہاں سے پنڈی جانے کے لئے واہگہ ہی پار کر گیا پھر وہاں سے وہ بنگلہ دیش چلا گیا - وہاں سے ہانگ کانگ چلا گیا تو تین چار حکومتوں کی ایجنسیاں پیچھے لگ گئیں لیکن پنڈی پھر بھی آنا ہو گا - انسانی زندگی کا انجام ایک ہے اور سب کو بالاخر وہیں پہنچنا ہے - اب کون کتنے دھکا کھاتا ہے - کتنی ذلتیں برداشت کرتا ہے - کتنی حدود پھلانگتا ہے - کتنے جرائم اپنے ذمی لیتا ہے اور بالاخر برزخ میں یا قبر کی آغوش میں ہی جا پہنچتا ہے اور کتنا خوش نصیب ہے وہ جو بالکل تک سیدھا اسی سمت کو چل پڑتا ہے - اسی کے لئے تیاری کرتا ہے - کھانا پینا ' اٹھنا ' بیٹھنا ' جاگنا ' سونا ' دشمنی ' دوستی یہ وہ قدم ہیں جو زندگی گزارنے کے لئے ہم چل رہے ہیں اب

ان کو ٹیڑھا میڑھا دور دراز کرنے کی بجائے وہ نبی علیہ الصلاہ والسلام کی اطاعت کرتا ہے تو حضورؐ اسے عطا فرماتے ہیں " ھدی " سیدھا راستہ ' صحیح طریقہ ۔ پھر فرمایا اللہ کا احسان یہ ہے کہ اسی ھدی کو کام کرنے کا آسان اور سیدھا راستہ بھی بتا دیا اور یہ بھی یاد رکھیئے ہر کام کرنے کا جو صحیح طریقہ ہوتا ہے وہ سب سے آسان ہوتا ہے اور جتنے غلط طریقے اپنائے جاتے ہیں وہ صحیح طریقے کی نسبت مشکل ہوتے ہیں تو وہ جو آسان ترین زندگی گزارنے کا سلیقہ پاتا ہے فرمایا اس میں صرف زندگی کا فائدہ نہیں بلکہ اسی کو اللہ نے تمہارے لئے دین بھی متعین کردیا ہے ۔ تمہارا مذہب بھی یہی ہے ۔ تمہاری زندگی کا ہر فعل عبادت بن جاتا ہے ۔ اس لئے کہ تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں کرتے ہو اور بعض اوقات خطا بھی ہو جائے تو عبادت سے بڑھ جاتی ہے ۔ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی آنکھ لگ گئی ۔ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا ' اکابر صحابہ میں سے تھے کاتب وحی تھے آپؐ نے ان کے جنتی ہونے کی پیشگوئی فرمائی تھی ۔ انہوں نے پوچھا کون ہے ۔ کس نے دروازہ کھٹکھٹایا آواز آئی شیطان ہوں ابلیس ہوں فرمایا بدمعاش تو کیوں دروازے کھٹکھٹا رہا ہے کہ آپ کی نماز جماعت سے فوت ہو جائے گی ۔ انہوں نے فرمایا تو کب سے پارسا ہو گیا ہے اور لوگوں کو باجماعت نماز پڑھنے کے لئے جگانے لگا ۔ کہنے لگا نہیں میں پارسا نہیں ہوا ہوں ۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ پہلے اسی طرح آپ تھکے ہوئے تھے حکومتی امور سے اور رات کو دیر سے سوئے اور آپ کی فجر کی نماز جماعت سے رہ گئی اور آپ اتنے روئے تھے کہ مجھے ابھی تک افسوس ہے کہ ایک نماز کا ثواب آپ کو اتنا نہ ملتا جتنا اس دکھ کا ملا ہو گا ۔ آج میں اس لئے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہوں کہ آپ اپنے دو رکعت ہی پڑھ لیں یعنی نسبت ہو جائے نبی علیہ الصلاہ والسلام سے غلامی اور اطاعت کی تو لغزش پہ جو دکھ ہوتا جو چوٹ پہنچتی ہے بعض اوقات نیکیوں سے وہ گنا زیادہ قرب عطا کر جاتا ہے ۔ زیادہ ثواب دے جاتا ہے تو فرمایا ۔ یہی زندگی بسر کرنے کا اسلوب تمہارا مذہب بھی ٹھہرا ۔ یہ تو ایک مقصد ہو گیا اپنے ماننے والوں کے لئے ۔ سہولت آرام دہ زندگی ' آبرومندانہ حیات اور وہی آبرو مندانہ زندگی بسر کرنے کا سلیقہ اور طریقہ دین اور مذہب بھی اور اسی پر ثواب بھی اور وہی سارا عبادت بھی جس طرح نماز عبادت ہے ' روزہ عبادت ہے ' اسی طرح زندگی کا ہر وہ کام جو حضورؐ کی اطاعت اور سنت کے مطابق کیا جائے عبادت ہے ۔ لیکن یہاں بات ختم نہیں ہوتی فرمایا میرا رسول ہے انسانیت کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ۔ قیامت تک آنے والے لوگوں کے لئے تو مقصد بعثت محمد رسول اللہ یہ بھی ہے " **لیظھرہ علی الدین کلہ** " جو اور نظام ہائے حیات ' جو دوسرے باطل نظام ہائے حیات ' جو دوسرے باطل مذاہب ' جو دوسرے باطل " SCHOOL OF THOUGHTS " چونکہ ہر باطل مذہب ہر باطل نظام ہر باطل طریقہ ' ہر باطل رواج کسی نہ کسی انسان کا ایجاد کردہ ہوتا ہے اور ایجاد کرنے والا دوسروں سے اپنی خدمت لینے کے لئے ایجاد کرتا ہے ۔ اپنی غلامی کروانے کے لئے ایجاد کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے لوگوں کے حقوق مارے جاتے ہیں اور تھوڑے لوگوں کو ان کے حق سے انکی حیثیت سے زیادہ مل جاتا ہے ۔ فرمایا بعثت نبوی کا مقصد یہ بھی ہے " **لیظھرہ علی الدین کلہ** " دنیا بھر کے رواجات ' دنیا بھر کے باطل مذاہب ' دنیا بھر کے باطل نظاموں پر اس طرز حیات کو ' اس دین حق کو اس " ھدی " کو غالب بھی کیا جائے ۔ ہر مومن ' ہر مسلمان پر دو فریضے عائد ہوتے ہیں ۔ دین محمدیؐ کو سیکھنا ' دین محمدی کو سمجھنا ' قرآن حکیم کو سیکھنا ' قرآن حکیم کو سمجھنا ' سنت سیہ کو جاننا ' سنت سیہ کو سمجھنا اور دل و جان سے اپنی پوری کوشش سے اس پر عمل کرنا ۔ " یہ آدھا کام ہے " اس میں تصوف بھی ہے سلوک بھی ہے ۔ اس میں مجاہدہ بھی ہے ' اس میں نماز ' روزہ ' حج و زکوہ بھی ہے ۔ اس میں سیحات و تلاوت بھی ہے ۔ اس میں تبلیغ بھی ہے ۔ اس میں وعظ و نصیحت بھی ہے ۔ یہ سارا کام آدھا دین ہے اور

دوسرا آدھا دین ہے کہ اس دین حق کو باطل نظام ہائے حیات پر غالب کیا جائے ۔ دنیا میں جہاں لوگوں نے لوگوں کو غلام بنا رکھا ہے ۔ جہاں لوگوں نے چپے چپے پر اپنی فرعونیت کا اعلان کر رکھا ہے ۔ جہاں لوگ دوسروں کا مال اڑاتے ہیں ' دوسروں کی آبرو سے کھیلتے ہیں ' دوسروں کی جان سے کھیلتے ہیں اور جہاں دوسروں کو مچھر ' مکھیوں کی طرح کچلا جا رہا ہے ان رواجوں کے مقابلے میں ' ان نظام ہائے حیات کے مقابلے میں ' ان ادیان باطلہ کے مقابلے میں دین برحق کو اور اللہ کی اس کتاب کو غالب کیا جائے یہ آدھا دین ہے ۔ ایک حدیث میں آتا ہے جہاں ارشاد ہوتا ہے قرآن میں تعدد ازواج کی جہاں بات آتی ہے " **فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و ربع** " کہ اگر تمہیں پسند ہوں تم چاہو تو ایک ایک ' دو دو ' تین تین ' چار چار شادیاں کرو " **وان خفتم الا تعدلوا فواحدہ** " اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم ان میں عدل نہیں کر سکو گے " فواحدہ " تو پھر ایک ہی رہنے دو ۔ اس کی شرح میں حدیث شریف ملتی ہے ۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ کسی نے دو بیویاں کیں اور صرف ایک کے حقوق پورے کرتا رہا اور دوسری کو عزت نہ دی ' کھانا نہ دیا اسکے حقوق پورے نہ کئے ' اسکی پروا نہ کی تو میدان حشر میں اس کا آدھا دھڑ مفلوج ہو گا ۔ ایک پاؤں ' ایک بازو ' ایک آنکھ ' آدھا چہرہ ' آدھا وجود سلامت ہو گا اور آدھا مفلوج ہو گا ۔ اگر دوسری بیوی کے حقوق ادا نہ کرے گا تو مفلوج ہو گا اور اگر آدھا دین ہی قابل عمل نہ سمجھے اور اپنی ذمہ داری ہی سمجھنا چھوڑ دے تو پھر خطرہ اس بات کا ہے کہ جس آدھے پر وہ عمل کر رہا ہے وہی رد نہ کر دیا جائے ۔ وہاں بات دو خواتین کی ہے ۔ یہاں بات اللہ کے حکم اور محمد رسول اللہ کی بعثت کی ہے ۔ وہاں آدھا نہ کرنے پر سزا کا امکان ہے ۔ یہاں آدھا نہ کرنے پر دوسرے آدھے کے رد ہونے کا امکان ہے ۔ بالکل ایسے ہی جس طرح جمعہ کے دو فرض ہیں ۔ ہم ایک فرض پڑھ کے چھوڑ دیں کہ آدھا ہم نے ادا کر دیا ہے ۔ آدھے کی خیر ہے وہ ایک قبول نہیں ہو گا ۔ وہ رد ہو جائے گا ۔ سزا جزا کی بات بعد میں ہو گی ۔ پہلے جرم جو ہم پر آئے گا وہ یہ ہو گا کہ انہوں نے جمعے کی نماز ادا کی ہی نہیں ۔ انہوں نے جمعے کے فرائض ادا کئے ہی نہیں ۔ وہ ایک رد قرار دیا جائے گا ۔ اسی طرح اگر ہم اس آدھے حصے پر محنت کرتے رہے ۔ یہ بھی اللہ کا احسان ہے ۔ تبلیغ کریں ' حج کریں ' زکوہ دین ' نماز پڑھیں ' محنت کریں ' مجاہدہ کریں ' سبحات پڑھیں اور اللہ دے تو ذکر کریں ' قلبی خفی ذکر کریں ' مراقبات کریں ۔ اللہ کا قرب تلاش کریں ۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ یہ دین کا ایک حصہ ہے ۔ آدھا ہے ۔ یہ ایک رکعت ہے دوسری رکعت ہے کہ باطل کے مقابلے میں میدان میں اتریں اور دین برحق کو غالب کریں ۔ اگر اس کو نے فراموش کر دیا جس طرح کہ اب ساری قوم کر چکی ہے اور جس طرح ساری قوم نے سمجھوتہ کر لیا ہے کفر کے ساتھ ۔ اس کے دو حصے ہیں ایک تو یہ ہے کہ ہم سے نہ ہو سکے ۔ اللہ کی مرضی ۔ لیکن اگر نہیں ہو سکتا تو ہم اس سے سمجھوتہ کر لیں اسکی کوئی گنجائش نہیں ۔ اسکی گنجائش ہے کہ ہم محنت کریں ۔ ہم کوشش کریں ' ہم مجاہدہ کریں اور شاید ہم کافروں پر غلبہ نہ پا سکیں ۔ شاید ہم باطل رواج کو نہ ٹھکرا سکیں ۔ شاید ہم باطل نظام کہ نہ ہلا سکیں ۔ اس کا امکان موجود ہے لیکن ہم مکلف ہیں اس کے ساتھ ٹکر لینے کے اپنے پورے وسائل کے ساتھ ۔ پوری عقل کے ساتھ ' پورے شعور کے ساتھ ' دانشمندی کے ساتھ ' اپنے پورے خلوص کے ساتھ ۔ اگر وہ نہیں ہو گا تو ہمارا حق ادا ہو جائے گا ۔ لیکن اگر ہم یہ کہہ کر سمجھوتہ کر لیں کہ یہ تو بڑا ٹکڑا ہے یہ کام ہم سے ہو ہی نہیں سکتا تو اس سمجھوتے کی گنجائش نہیں ہے ۔ یہ اتنا بڑا جرم ہے کہ شاید پھر ہم پر وہ فرد جرم لگائی جائے کہ انہوں نے خود اسلام کو قبول ہی نہیں کیا ۔ ہم سارے موت کے منہ میں زندہ ہیں ۔ کسی کے پاس کوئی رسید نہیں ہے کہ وہ مزید کتنے سانس لے گا ۔ وہ جو ایک محاورہ ہے نا اردو کا کہ فلاں کے سر پر تلوار لٹک رہی ہے تو یہ موت کی تلوار ہر ایک کی گردن پر ہے ۔ ہر

سانس آخری سانس ہو سکتا ہے ۔ ہر ایک کو قبر میں اترنا ہے ۔ ہر ایک کو جواب دینا ہے اللہ کے سامنے ۔ اللہ کے حضور ۔ اللہ کی بارگاہ میں اور تف ہے ایسی عقل پر جو دنیاوی نفع و نقصان تو سوچے لیکن کبھی اس حال کو اس موقع کو یاد نہ کرے جب اسے قبر میں جانا ہے ۔ تو اس کے لئے ہم کیا کر رہے ہیں ۔ لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو جاتی ہے ہماری کوششوں سے بھی چونکہ ہم اس ضمن میں لگے رہتے ہیں تو وہ سمجھتے ہیں یہ سیاست میں آنا چاہ رہے ہیں ' الیکشن لڑیں گے ' ممبر بن جائیں گے اسمبلی کے یا وزیر بن جائیں گے ۔ لا حول ولا قوہ الا باللہ ۔ میرے بھائی ہمارا مقصد نہ سیاست ہے نہ اسمبلی میں جانا ہے ' نہ وزارتیں لینا ہیں اور نہ ہمارے پاس اسکی فرصت ہی ہے ۔ ہم اپنے جس کام میں مصروف ہیں اللہ رب العزت نے یہ اتنی بڑی مصروف زندگی عطا فرمائی ہے اور اللہ کرے کہ اسی مصروفیت میں یہ زندگی تمام ہو کہ اللہ کا اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اور اسکے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات طالبوں تک پہنچاتے رہیں ۔ میری ذاتی رائے میں اس دنیا میں کوئی بڑا منصب ہے ہی نہیں نہ اس کا کوئی تصور ہے ۔ ہر منصب کسی نہ کسی غلامی پر جا کر منتج ہوتا ہے تو کسی بھی دوسرے کی غلامی سے اس بارگاہ کی غلامی کروڑوں درجہ بلند اور عظمت کی حامل ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ اپنے مزاج اپنی لذت اپنے لطف کی بات ہے ۔ کسی کو سمجھ آئے نہ آئے ہمیں اگر زندگی دس بار دوبارہ دی جائے تو ہر بار یہی خواہش ہو گی کہ اسی کام میں پھر سے صرف ہو جائے ۔ اس لئے ہمارا حال وہ نہیں کہ ہم الیکشن کے لئے بھاگ رہے ہیں یا پوری جماعت اس کے لئے کوشش کر رہی ہے یا الاخوان بنا دی ۔ نقشبندیہ اویسیہ والے بھی اقتدار چاہتے ہیں ۔ یہ سارے وہ لوگ ہیں جو صرف اور صرف دین حق کا غلبہ چاہتے ہیں ۔ باطل ادیان پر یہ صرف وہ لوگ ہیں جنہیں یہ فلاسفی سمجھ میں آ گئی کہ جس پر ہم عمل کر رہے ہیں یہ ایک حصہ ہے دین کا اور اگلا حصہ ہے کہ ہم خود کو میدان میں لائیں ۔ بدر و احد ہر عہد میں موجود ہیں ' حق و باطل زندگی بھر موجود ہیں ' حق و باطل کا معرکہ کبھی سرد نہیں ہو گا ۔ جہاد کے احکام دائمی ہیں اور قرآن حکیم سے مٹائے نہیں جا سکتے ۔ کتنی کوششیں کیں کفار نے چوتھی صدی عیسوی میں ' اسلام کے مقابلے میں باطل عقیدہ گھڑا گیا اور جو سب سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کی گئی کہ اسلام کے نام پر اس تحریک کی بنیاد بھی اس بات پر تھی کہ جہاد ختم ہو گیا ' جہاد نہیں چاہئے ۔ اور تب سے اب تک جتنے باطل عقائد وضع کئے گئے حتی کہ قادیانی کی نبوت بنائی انگریزوں نے کروڑوں روپے خرچ کر کے ' حاصل اس کا بھی یہ تھا کہ وہ جہاد کی تردید کر دے کہ جہاد نہیں چاہئے ۔ اس لئے کہ گناہ گار مسلمان بھی جب جہاد کا نام پڑھتا ہے تو اپنے سارے گناہوں سمیت اپنی جان دینے کے لئے حاضر ہو جاتا ہے اور باطل اسی سے ڈرتا ہے سو میرے بھائی یہ جہاد جو ہے یہ ہماری زندگی کا مقصد ہے اور خوش نصیب ہیں وہ جو اس راہ میں اور اس راستے سے آخرت کو جاتے ہیں ۔ سب سے معزز ' سب سے بہترین اور سب سے خوبصورت راستہ برزخ میں داخلے کا جہاد کے راستے سے ہے ۔ ہماری بلا سے کوئی حکمران ہو ' ہمارا ایمان تو اس حدیث پر ہے جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم پر کسی سیاہ فام حبشی غلام کو امیر بنا دیا جائے تو امیر بننے کے بعد اسکی اطاعت کرو ۔ اس لئے کوئی بھی بن جائے ہمارا کام اطاعت کرنا ہے لیکن امیر وہی ہو جو قرآن نے فرمایا ہے **اولوا الامر منکم** جو ایمان و عمل کے لحاظ سے مسلمانوں میں سے ہو جس کا عقیدہ بھی اسلامی ہو جس کا عمل بھی اسلامی ہو اور جس کا طرز حکمرانی بھی اسلامی ہو کسی الف ب ج کو غیر شرعی طریقے سے آپ آگے لا کر اسے بادشاہ ' امیر ' وزیر بنا دیں اسکی اطاعت ہم پر فرض نہیں ہے ۔ اور اس کی اطاعت کی ہم کوئی ذمہ داری لینے کو تیار نہیں ہیں ۔ اس نے ہم سے مار پیٹ کر ہی اطاعت کروانی ہے یا جو کروانی ہے ۔ ہم نے دل سے اسکی اطاعت نہیں کرنی اور نہ کریں گے ۔ اگر یہ جرم ہے ' اگر یہ بغاوت ہے تو یہ ہم

ساری عمر کرتے رہے ۔ یہی کرتے دنیا سے چلے جائیں گے ۔
حق بات نہ تیغ سردار کریں گے
یہ جرم جو زندہ ہیں سو بار کریں گے

اگر حق کہنا جرم ہے ' حق بات کرنا جرم ہے تو پھر ہماری زندگی مجرمانہ ہی گذری اور اسی جرم ہی میں گزرے گی ۔ یاد رکھیں میں نہیں کروں گا ۔ آپ نہیں کریں گے ۔ کوئی بھی نہ کرے ۔ یہ دین حق مغلوب ہو کر نہیں رہے گا ۔ غالب رہنا اس کا مقدر ہے ادوار زمانہ سے ۔ لوگوں کی بدقسمتی سے ' ہماری بدعیسی سے ' ہمارے گناہوں کی وجہ سے یہ سمٹتے سمٹتے مغلوب نظر آنے لگا ہے ۔ کبھی وہ دین جس کی حکومت روئے زمین کے معلوم دنیا کے تین حصوں پر تھی وہ اتنا کمزور ہوا کہ آج وہ گلی محلے میں بھی اسکے خلاف عمل کیا جاتا ہے ۔ اس کے خلاف فیصلے ہوتے ہیں اور اسے رسوا سمجھا جاتا ہے ۔ لیکن اسے مٹایا نہیں جا سکتا ۔ یہ ممالک جن پر پچپن مسلمان حکمران ہیں یہ وہ علاقہ ہے جو صحابہ کرامؓ نے ایک خلیفہ وقت اور ایک امیر المومنین کی اطاعت میں جس پر حکومت کی نہ صرف یہ بلکہ ہسپانیہ جو اس سے نکل چکا ہے اور رشیا کے وہ علاقے جو اس سے نکل چکے ہیں ' چین کے وہ علاقے جو اس سے باہر ہیں اور بھی بہت سے علاقے ہیں جو ان پچپن سلطنتوں سے باہر ہیں جن کا امیر مسجد نبویؐ کا امام اور خطیب ہوا کرتا تھا اور وہ امیر المومنین کہلاتا تھا ۔ نظام اسلام میں وہ قوت ہے کہ اس زمانے میں جب کنوینس نہیں تھی ' جب جہاز اور لاریاں نہیں تھیں ' اس زمانے میں بھی پل پل کی خبریں امیر المومنین کو پہنچتی تھیں ۔ اور ڈاک کا نظام اتنا خوبصورت تھا کہ آج جدید زمانے میں جہاں ایک ہفتے بعد ڈاک پہنچتی ہے وہاں وہ چوبیس گھنٹوں میں پہنچتی تھی ۔ چوکیاں متعین ہوتی تھیں ' تازہ دم گھوڑے کھڑے رہتے تھے ' ہر چوکی پر سپاہ مقرر ہوتی تھی اور ہرکارے مقرر ہوتے تھے ۔ ایک چوکی سے دوسری چوکی پر پہنچتے تو اگلا سوار گھوڑا لے کر تیار کھڑا ہوتا تھا ۔ ڈاک والا ڈاک اسے دیکر اپنے گھوڑے سے اتر جاتا وہ دوڑا لیتا اور یوں سرپٹ دوڑتے ہوئے گھوڑے خواہ دس ہزار میل فاصلہ ہوتا تو وہ تازہ دم گھوڑے شامل ہوتے جاتے اور رات دن میں پہنچ جاتا ۔ مسجد نبوی کا امام افریقہ سے لے کر چین تک سائبیریا تک اور ہسپانیہ سے لے کر سارے ہندوستان تک برصغیر تک اس سارے ملک کے ایک ایک بندے کو اسلام کے حوالے سے تحفظ فراہم کرتا تھا ۔ انصاف فراہم کرتا تھا ۔ باعزت روزگار فراہم کرتا تھا اور ہر ایک کے جان و مال کی ذمہ داری قبول کرتا تھا ۔ دنیا کا کوئی ایسا نظام دکھایئے اسلام کے علاوہ جس کے دامن میں آج بھی اپنے ماننے والوں کے لئے امن ہو ۔ ہندوستان ہو ' چین ہو ' جاپان ہو ' امریکہ ہو برطانیہ ہو ' یورپ کے دوسرے ممالک یا کوئی بھی غیر مسلم نظام جہاں جہاں ہے ۔ وہاں کا حال دیکھئے ' کتنی عزت محفوظ ہے لوگوں کی ' کتنا مال محفوظ ہے ۔ کیا تحفظ ہے جان کا تصور ہی نہیں ہے اور کتنی بدعیسی ہے ۔ ہماری کہ پچپن اسلامی ریاستیں موجود ہیں لیکن ان میں اسلام کے احکام نہیں ۔ سعودی عرب یا اس کی دو چار ریاستوں میں کچھ احکام اسلامی ہیں اور جہاں تک وہ اسلامی احکام ہیں ان کے حوالے سے وہاں امن بھی ہے لیکن معاشی نظام سب کے سب سودی ہیں ۔ معیشت سب کی سودی ہو گئی اور سارے امریکہ کی مدد اور ایڈ کے محتاج ہو گئے ۔ حکومت اور سلطنت خاندانی بن گئی ۔ خاندانی ہی ہے ۔ کہیں واقعی وراثت کے طور پر اور کہیں لوگوں کو بیوقوف بنا کر جس طرح آپ کی معزول وزیر اعظم نے فرمایا میں خاندانی وزیر اعظم ہوں یعنی یہ جو فراڈ اور فریب ہے ان ووٹوں کا اور الیکشن کا ' دراصل اس میں بھی تو وہی لوگ آتے ہیں جو موروثی طور پر چمٹے ہوئے ہیں ۔ اب وقت آگیا ہے ۔ ہمیں حالات اس سطح پر لے آئے ہیں کہ یا اس ملک میں سے بھی ان لوگوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جائے یا دین حق اور اسلام کی بات کرتے ہیں اور یا پھر اسلامی نظام اپنایا جائے یہ یاد رکھ لیں اگر خدانخواستہ جن حالات سے ہو گزر رہے ہیں ان حالات میں بھی اسلام اسلام کہنے والوں نے

بھی اپنا خلوص پیش نہ کیا اور پیسے لے کر بک گئے یا ووٹ لے کر بک گئے یا عہدے اور وزارتیں لے کر بک گئے تو یہ فعل ان کی گردنوں پر جہنم کو لاد دے گا خواہ وہ بڑے حاجی ہوں یا بڑے نمازی ہوں ۔ خواہ وہ بڑے پیر صاحب کہلاتے ہوں ۔ صبڑے مولانا کہلاتے ہوں اور یہ فعل اسلام کو مٹانے کے مترادف ہو گا ۔ لیکن یہ یاد رکھ لو مٹنا اسلام کا مقدر نہیں ہے ۔ اسلام کو آنا ہے ۔ اور ہر حال آنا ہے اور انشاء اللہ العزیز یہی سرزمین اس کی واپسی کا سبب اور نقطہ بنے گی اور بن رہی ہے ۔ اب یہ کس کس کے نصیب ہیں کہ اس قافلے میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کرے ۔ جو کام صحابہؓ نے کیا ' دنیا بھر کا کفر اس کا راستہ روکتا رہا لیکن نور اسلام پھیلتا ہی چلا گیا اور روئے زمین پر پھیل گیا ۔ آج تک کافرانہ ساری طاقتیں اسے مٹانے کے لئے سازشیں کرتی رہیں اور وہ سلامت ہی رہا ۔ اب آخری کوششیں ہو رہی ہیں اسے دبانے کی جو اس کے ابھرنے کا سبب بن رہی ہیں ۔ اب انشاء اللہ غلبہ اسلام کا دور ہے اور اسلامی نظام آئے گا ۔ اسلامی نظام نافذ ہو گا اور وہ اس ملک کا مقدر ہے اور ہم انشاء اللہ العزیز اسلامی نظام کے علاوہ کوئی نظام قبول کرنے کو تیار نہیں ۔ ایک الیکشن کیا دس الیکشن ہو جائیں ' ایک اسمبلی کیا ' پچاس بن جائیں ' جو بنے گی وہ ٹوٹے گی ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان شاء اللہ کوئی اسمبلی بن ہی نہیں سکے گی ان سے ۔ اب یہ نظام فیل ہو چکا ہے جس کو یہ ٹرائی TRY کر رہے ہیں ۔ یہ کون سا نظام ہے جس میں آپ نے دس سال میں پانچ پانچ سال کے لئے چار اسمبلیاں بنائیں جنہیں بیس سال چلنا چاہئے تھا وہ ساری دس سالوں میں ٹوٹ پھوٹ گئیں ۔ کوئی اسمبلی آپ کی دو سال اڑھائی سال سے آگے نہیں چلتی ۔ اس لئے نہیں توڑی جاتیں اسمبلیاں کہ لوگوں پر انہیں ترس آ جاتا ہے ۔ اس لئے توڑتے ہیں کہ وہ چل نہیں سکتی وہ خود ٹوٹ جاتی ہیں انہیں توڑتا کوئی نہیں ۔ نا اہل لوگ ہوتے ہیں ' بدکار لوگ ہوتے ہیں ' بے ایمان لوگ ہوتے ہیں ' بے دین لوگ ہوتے ہیں اور وہ چل نہیں سکتے ۔ وہ خود تڑوا بیٹھتے ہیں ۔ اسے توڑ دیتے ہیں ' پھر اگر بنے گی پھر ٹوٹے گی ' ایک ہی نظام اس ملک کا مقدر ہے وہی چلے گا اور وہ نظام ہے شریعت محمد رسول اللہ کا نظام ' خلافت راشدہ کا نظام ' اسلامی نظام ۔ ہم ان شاء اللہ اس نظام کو قبول کریں گے ۔ ہم کسی دوسرے نظام کے حق میں نہیں ہیں ۔ یہ ہمارا کوئی مسئلہ نہیں ہے کہ یہ الیکشن ہو جائے ۔ ہو جائے ہوتا ہے تو ۔ کچھ لوگ کہہ رہے تھے آپ الیکشن کا بائیکاٹ کریں ۔ میں نے بائیکاٹ تو وہ کرے جو الیکشن کے ساتھ ہو ۔ ہم تو اس کے ساتھ ہی نہیں ہیں ۔ ہم کیوں بائیکاٹ کریں ؟ ہمارا کیا بائیکاٹ ہے ۔ ہم تو منع کر رہے ہیں کہ قوم کا سرمایہ ضائع نہیں کرو ۔ اربوں روپے ضائع نہیں کرو اس غریب ملک کے جہاں لوگ دوائی کے لئے ترستے ہیں اور ایک گولی دوائی کے لئے مر جاتے ہیں ۔ جہاں آپریشن ٹیبل پر بندے مر جاتے ہیں اور آپ کی بجلی چلی جاتی ہے اور آپ کے جنریٹر فیل ہو جاتے ہیں ۔ اس ملک میں لوگوں کو زندگی کی سہولتیں دو اور ان کے منہ سے اناج کا ایک ایک دانہ چھین کر ہر دسویں دن یہ الیکشن کا تماشا نہ جوڑو بلکہ شرعی طریقہ انتخاب کو اپناؤ ۔ اسلام کی جمہوریت اپنی ہے ' مغرب کی اپنی ہے ۔ اسلام کی جمہوریت یہ ہے کہ اس منصب کے اہل لوگوں کی اکثریت جس طرف رائے دے انکی رائے مانی جائے ۔ نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ۔ اگر میرے بعد اختلاف ہو اور ان ۳۱۳ میں جو بدر میں شریک ہوئے تھے کوئی ایک بندہ زندہ ہو ' پوری امت کی رائے دوسری طرف ہو اور اس اکیلے کی رائے دوسری طرف ہو تو عمل اسکی رائے پہ کیا جائے ۔ ہماری جمہوریت یہ ہے ۔ اس لئے کہ وہ اہل بدر اللہ کو اتنے پیارے تھے کہ اس نے ان کی پسند اپنی پسند میں ضم کر دی ۔ ان کے لئے آسمان سے فرشتے اترے اور وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی میں اللہ کے حضور اپنی جانیں پیش کرنے والے لوگ تھے ۔ فرمایا ان کی رائے جو ہوگی جو خلوص اس میں ہے جو صداقت اس میں ہے ' جو صحت اس میں ہے '

ساری قوم دوسری طرف ہو جائے تو وہ صحت نہیں مل سکتی ۔ اس لئے کہ وہ اس کے اہل ہیں ۔ اسلامی جمہوریت یہ ہے کہ جو اس منصب کے اہل ہیں اس کے قابل ہیں انکی تعلیم اتنی ہے ' انکا تجربہ اتنا ہے ' انکی دیانت اتنی ہے ' ان سے مشورہ کیا جائے کہ یہ وزارت کس کو دی جائے یا کس کو امیر بنایا جائے ' ان کی اکثریت جس پہ متفق ہو ' عام آدمی کے ذمے ہے کہ اسے قبول کرے اور مغربی جمہوریت یہ ہے کہ لوگوں سے دھوکہ کیا جائے ۔ کوئی چور اچکا ' ڈاکو ' بدمعاش ۔ وہ اکثر بدمعاشوں کو ' بیوقوفوں کو اکٹھا کر لے تو ملک کی باگ ڈور اس کے سپرد کر دی جائے ۔ اب اس اکثریت کا تماشا بھی دیکھو ' سرکاری اعداد و شمار کے مطابق تیس بتیس فی صد لوگ ہمارے ملک میں ووٹ ڈالتے ہیں اور اس سال شاید بتیس فی صد میں سے بھی اکثر معتکف ہوں گے ۔ بیس پچیس فی صد رہ جائیں گے ۔ چونکہ انہوں نے بڑی دیانتداری سے الیکشن ان دنوں میں رکھا ہے جن دنوں میں دینداروں کی اکثریت معتکف ہو جائے گی ۔ اعتکاف کے دنوں میں رکھا ہے کہ ان مصیبتوں سے جان چھڑاؤ ۔ انہیں بھیج دو مساجد میں ' یہ شور نہ کریں ۔ اس تیس فیصد میں کتنی جماعتیں ہیں ۔ یہ ساری جماعتیں جو سیٹیں لیتی ہیں ان میں سے جو زیادہ لے جائے وہ وزیر اعظم بنتا ہے ۔ وہ زیادہ سے زیادہ دس فیصد لوگوں کی رائے ہوتی ہو گی ۔ دس فیصد اکثریت ہو گئی اور نوے فیصد اقلیت ہو گئی اس جمہوریت میں ۔ یعنی جس کے پاس دس فی صد کی رائے ہے وہ اکثریت کا حکمران ہے ۔ منتخب وزیر اعظم ہے ۔ یہ تو رومن ایمپائر ہو گئی کہ نوے فی صد لوگ غلام ہوں اور دس فی صد حکمران ہوں ۔ یہ ایک فریب ہے ۔ ہماری بدقسمتی ہے کہ ایک خاص طبقہ ہم پر مسلط ہے اور ان کا اس میں فائدہ ہے ۔ وہ اس کے خلاف بات نہیں سننا چاہتے ۔ لیکن یاد رکھیں بحیثیت مسلمان ہمارا یہ آدھا دین ہے کہ ہم دین حق کو غالب کریں اور باطل نظاموں کو رخصت کیا جائے اور انہیں مٹایا جائے ۔ اللہ کریم ہمیں سمجھ بھی دے ' شعور بھی دے ' ہماری کوتاہیاں اور لغزشیں معاف فرمائے اور یہ جرات عطا کرے کہ ہم کم از کم اس ملک پر تو دین حق کو نافذ کر سکیں تاکہ آنے والے وقتوں میں یہ ملک دنیا کے ممالک کی راہنمائی کرے اور جہاں تک دین حق اور دین اسلام کا نظام پھیلتا چلا جائے وہاں تک کے ثواب ہمارے مقدر میں بھی ہماری قسمت میں بھی اور ہماری قبر میں بھی پہنچتے رہیں۔

ہماری دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟

☆ ایک دفعہ لوگوں نے حضرت ادھم بلخی سے پوچھا۔ کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں قبول نہیں فرماتا۔

☆ آپ نے فرمایا اس وجہ سے کہ تم خدا کو جانتے اور مانتے ہو مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی نعمت کھاتے ہو مگر شکر ادا نہیں کرتے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے ہو مگر ان کی پیروی نہیں کرتے۔

☆ قرآن پڑھتے ہو مگر عمل نہیں کرتے۔

☆ جانتے ہو کہ دوزخ گنہگاروں کے لئے ہے مگر اس سے نہیں ڈرتے۔

☆ شیطان کو دشمن سمجھتے ہو مگر اس سے نہیں بھاگتے بلکہ اس سے دوستی کرتے ہو۔

☆ عزیز و اقارب کو اپنے ہاتھوں سے زمین میں دفن کرتے ہو مگر عبرت نہیں پکڑتے۔

☆ موت کو برحق جانتے ہو مگر عاقبت کا کوئی سامان نہیں کرتے بلکہ دنیا کا سامان جمع کرتے ہو۔

☆ اپنی برائیوں کو ترک نہیں کرتے مگر دوسروں کی عیب جوئی کرتے ہو۔

بھلا ایسے لوگوں کی دعائیں کیسے قبول ہوں؟

نواز شریف کے اقتدار کی ریکھائیں!

اکبر علی ایم۔ اے

سیاسی روایات کے عین مطابق پیپلز پارٹی نے بھی اپنے دور اقتدار میں داخلی اور خارجی حالات کے موازنے اور تجزیوں کے ہوم ورک اور پیش بینی کے بغیر عالمی اقتصادی پالیسیوں کی آنکھیں بند کر کے پیروی شروع کر دی نتیجہ یہ نکلا کہ عالمی معاہدہ گیٹ کے مطابق پہلے در آمدی سال پر کسٹم ٹوٹنے سے قومی خزانے پر شدید ضرب پڑی پھر آزاد عالمی مقابلے کی صلاحیتوں سے عاری ملکی صنعتیں تعطل کے وبائی مرض کا شکار ہوگئیں۔ صنعتیں بیمار ہو جانے سے بینکوں کی سرمایہ کاری کی واپسی کا نظام درہم برہم ہو گیا برآمدات بحران کا شکار ہوگئیں قومی مالئے میں نوٹ پھوٹ کا عمل تیز ہو گیا روز گار کے مواقع ٹوٹنے لگے خسارے پورے کرنے کے لئے ٹیکسوں کی مجبوری پیدا ہوئی ٹیکسوں کے جبر سے عوام شدید مہنگائی کی لپیٹ میں آگئے ادائیگیوں کے توازن درست کرنے کے لئے ڈی ویلیویشن کی مجبوریاں پیدا ہوئیں ڈی ویلیویشن سے لاگت پیداوار میں اضافہ ہونے لگا افراط زر نے سیلابی صورت اختیار کر لی افراط زر کے سیلاب کی تیزی نے لاگت پیداوار کے استحکام کو متزلزل کر دیا۔ سرمایہ کا ماحول تباہ کر دیا یوں ٹیکسوں مہنگائی اور بے روز گاری کے جبر نے پیپلز پارٹی کی حکومت کا عوام سے ذہنی اور قلبی رشتہ توڑ دیا۔ پیداوار کے بغیر یو مرازم کی بے قابو لہر نے کسادی بازاری کے تمام عوامل کو مشتعل کر دیا زندگی پر مسائل کے بڑھتے ہوئے دباؤ سے پیپلز پارٹی کا عوام پر اخلاقی دباؤ دھماکے سے اڑ گیا۔ متشدد بجٹ نے اپوزیشن کو ایسا ماحول فراہم کر دیا کہ وہ عوام کو پیپلز پارٹی سے بدگماں کر سکے۔ استحصال کے خلاف پیپلز پارٹی کا پراپیگنڈہ مذاق اور دل آزاری بن گیا۔ مسائل سے لدے ہوئے عوام کا سامنا کرتے ہوئے قیادت کے اعتماد پر شرمندگی کا غلبہ ہونے لگا۔ اقتصادی پالیسی کی بے بصیرتی کے باعث قیادت عوام سے ڈی لنک ہو گئی اور جب رائے عامہ کو اظہار کا موقع ملا تو الیکشن میں عوام سے ڈی لنک ہو گئی اور جب رائے عامہ کا موقع ملا تو الیکشن میں عوام کی خاموش اکثریت نے پیپلز پارٹی کی حمایت سے ہاتھ کھینچ کر پیپلز پارٹی کا کھنڈر بنا دیا۔ پیپلز پارٹی نے اپنی تباہی کا جال خود اپنے ہاتھوں سے بنا اور اپنے ساتھ اس میں عوام کو بھی الجھا دیا۔ بے نظیر عالمی بنک کی نوکری میں ماری گئیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بے نظیر حکومت نے بیمار معیشت کے وبائی جراثیم اپنے پیش رو نواز شریف کی سٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ کی اقتصادی پالیسیوں سے ورثے میں پائے جو عالمی بنک کی ہدایات پر چلائی گئیں لیکن بے نظیر حکومت کا یہ فرض بنتا تھا کہ وہ قومی ماحول اور عالمی حالات کے تناظرات میں ان پالیسیوں کا تجزیہ کر کے انہیں قومی ضروریات کے مطابق ڈھالتیں یا عوام کی صلاحیتوں کو جوابی عمل کے لئے تیار کر کے بہتری کی کوئی صورت نکالتیں۔ بے نظیر حکومت نے چانس پر بھروسہ کرتے ہوئے کشتی منجدھار میں ڈال دی جو سوئے اتفاق سے پار نہ لگ سکی۔ بے نظیر نے ایک جواء کھیلا جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکیں۔ اب حالات و واقعات کے جس ماحول نے نواز شریف کو بھاری کامیابی سے ہمکنار کیا اس میں بے نظیر کے جذر کو نواز شریف کی شاندار کامیابی کسی عوامی لہر کا نتیجہ نہیں کیوں کہ حالیہ الیکشن میں سابقہ الیکشن کی نسبت بہت کم ووٹ پڑے ہیں۔ اس کامیابی میں خاموش اکثریت کی مایوسی اور سرد

مری کا دخل ہے کیا اپنے ووٹ بنک سے باہر واقع بھاری خاموش اکثریت کو نواز شریف کوئی ریلیف مہیا کر کے اس کو مشتعل ہونے سے روک پائیں گے اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ نواز شریف اس بھاری خاموش اکثریت کے لئے اقتصادی سرگرمیوں میں شراکت کے مواقع پیدا کرنے میں کن صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

بغیر کسی ہوم ورک کے موجودہ معاہدہ گیٹ اور نیو ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن میں پاکستان کی شمولیت نے اسے بلا تیاری اچانک آزاد مقابلے کے کھلے میدان میں پھینک دیا ہے جو قوموں کی مینو فیکچرنگ صلاحیتوں کی آزمائش کا میدان ہے۔ پاکستان نے شروع دن سے جس سامراجی فریم ورک میں معاشی پناہ لینے کی جستجو کی معاشی تحفظ کا وہ رجحان دراصل معاشی مقابلے سے فرار کی راہ تھی۔ سامراج کی معاشی پناہ میں پاکستان ایک خود کفیل مینو فیکچرنگ سوسائٹی بننے کے عزم کی لذتوں سے محروم ہو گیا جو سوسائٹی مینو فیکچرر نہیں وہ مقابلہ کس چیز میں کر سکتی ہے۔ مارکیٹ تو مینو فیکچرنگ کے مقابلے کی جگہ ہے قوم دوائیاں' اسلحہ' مشینیں اور ٹیکنالوجی مینو فیکچر کر کے ابھر کر سامنے آنے کی بجائے ان کی خریدار بن کر صارف کی حیثیت سے دب کر غائب ہونا شروع ہو گئی ہے۔ مینو فیکچرنگ کا عمل بنیادی صنعتوں کے بغیر بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے بنیادی صنعتوں کے بغیر کوئی سوسائٹی مینو فیکچرنگ سوسائٹی کا روپ نہیں دھار سکتی پاکستان نے مینو فیکچرنگ میں اوریجنل کی بجائے دوسرے درجے کا عمل پیدا کرنے کے لئے غیر ملکی مشینوں پر انحصار کی پالیسی بنائی نتیجہ یہ نکلا کہ مشینی سرمائے کی طرفہ درآمد سے یہ ادائیگیوں پر مقامی بینکوں سے قرض لے کر سرمایہ کاری ہوئی غیر ملکی قرض بھی حاصل کئے ان کو رعایتیں دینے کے لئے ریلیف پیکج بھی دیئے گئے سٹاک ایکسچینج کے ذریعے حصص کی خریداری سے فنڈز بھی مہیا کئے گئے لیکن ان سب جتنوں کے باوجود صنعتیں قومی سرمایہ بننے کی بجائے قومی بوجھ بن گئیں۔ وہ عالمی مقابلے کی صلاحیتوں کا مظاہرہ اس لئے نہ کر سکیں کیونکہ وہ صنعتیں ہماری ذہنی صلاحیتوں کی تخلیق نہ تھیں۔ وہ صنعتیں ہماری قومی محنت اس لئے جذب نہ کر سکیں کیونکہ وہ ہماری محنت کی پیداوار نہ تھیں۔ وہ صنعتیں ہماری قومی صلاحیتی ماحول میں عالمی مقابلے پر بیمار ہونا شروع ہو گئیں۔ ان پر سرمایہ کاری ڈوبنا شروع ہو گئی۔ برآمدات کے بحران' مالیاتی' بحران روزگار کے بحران' افراط زر کے بحران' ٹیکسوں کے بحران' اور مہنگائی کے بحران نے چین ری ایکشن کی صورت اختیار کر لی۔ بیگانی تخلیقات پر مینو فیکچرنگ کی پالیسی سے اقتصادی اور سماجی بدیوں کا پینڈورا بکس کھل گیا جن پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے۔ نواز شریف حکومت کی مشکل ترین آزمائش قوم کو صنعتی مالیاتی اور تجارتی سامراج کے دباؤ سے باہر نکالنا ہے اس کے لئے نواز شریف حکومت کے ایجنڈے پر قوم کو دینے کے لئے نہ تو کوئی پیغام ہے اور نہ کوئی ایکسر سائز۔ بے نظیر حکومت بے نظیر حکومت نظیر حکومت معین قریشی ایجنڈا چلاتے ہوئے چھری عوام کی گردن پر لے آئی۔ اب نواز شریف کے لئے نیا ایجنڈا انتظار کر رہا ہے جس کے بارے نواز شریف اعلان کر چکے ہیں کہ عالمی بنک اور آئی ایم ایف کی تمام شرائط کا احترام کیا جائے گا۔ نواز شریف حکومت پر غیر ملکی ادائیگیوں کا قرض ہے یہ قرض نباہنا اس کا فرض ہے لیکن دوسری طرف عوام کی راحت کے لئے مینڈیٹ بھی نواز شریف حکومت پر قرض ہے۔ دونوں قرضوں میں مشرق و مغرب کا بعد ہے۔ اب کونسا قرض دوسرے قرض کی بھینٹ چڑھتا ہے اس کا فیصلہ تو وقت کرے گا لیکن قرائن نمایاں ہیں کہ عوام کی راحت سے پہلے نواز حکومت کو غیر ملکی ادائیگیوں کے سامنے جھکنا پڑے گا۔

نجات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سوسائٹی کو کنزیومر ازم سے نکال کر مینو فیکچرنگ کے قرینے میں نہیں لایا جاتا۔ قوم کی ایسی تعمیر کے لئے عزم کا پہاڑ اور وجدان کا سمندر درکار ہے۔ قوم کو اقتصادی سرگرمیوں کا شعلہ جوالا بنانے کے

لئے انتہائی طاقتور ایسے ماس ایکشن اور عوامی عمل کی ضرورت ہے جو اقتصادی حب الوطنی سے سرشار ہو۔ مینو فیکچرنگ سوسائٹی کی تشکیل کے لئے بیک وقت عوامی صلاحیتوں اور قومی وسائل کو متحرک اور مربوط کرنے کی ضرورت ہے۔ سرمائے کی قومی تشکیل کو مقدس فرض بنائے بغیر ان میں سے کوئی عمل ممکن نہیں۔ اب تشکیل سرمایہ کی ذمہ داری اگر انفرادی مقابلے پر ڈالیں تو چند خاندانوں کی ایسی اجارہ داری پیدا ہوتی ہے جو جمہوریت کی روح کو قبض کر لیتے ہیں۔ نیز لیزز فیئر اور انفرادی سرمائے کی تشکیل کا دور کب کا بیت چکا ہے۔ اس وقت انفرادی سرمائے کو عالمی سطح پر کارپوریٹ سرمائے کا مقابلہ درپیش ہے جس کی اہلیت سے وہ تاریخی طور پر محروم ہے۔ دوسری طرف تشکیل سرمایہ کی ذمہ داری پبلک سیکٹر میں لائیں تو عالمی ضابطہ معاشیات کی رو سے پرائیویٹائزیشن کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔ سائنسی اور معاشی قوتوں کے ارتقاء کے جدید ماحول میں جوابی عمل سے محروم قوم پسماندگی کے جس غار میں دھکیلی جارہی ہے ضمانت کے لئے قوم تجزیاتی دانش و بینش سے عاری ہے برادری ازم فرقہ ورایت اور علاقائیت پرستی جیسی غیر سائنسی اور غیر اقتصادی روایات کی جو دیواریں اقتدار کی مصلحتوں کے تحت عوام کے گرد چنی جارہی ہیں ان میں شگاف ڈالنے کے لئے کسی پلاننگ کے کوئی شواہد کسی ایجنڈے پر موجود نہیں۔ سرمائے کی تشکیل اور تقسیم میں عوام کو شریک کرنے کے بارے نئی حکومت کا ایجنڈا بالکل خاموش ہے۔ غیر معمولی حد تک بگڑے ہوئے حالات کو سدھارنے کے لئے غیر معمولی ماس ایکشن کی ضروت ہے۔ تعلیم، سائنس، تحقیق، معیشی سیاست اور ثقافت تمام شعبوں کی اصلاح کے لئے ماس ایکشن درکار ہے۔ نواز شریف حکومت کے ایجنڈے میں ماس ایکشن کے لئے درکار ہم گیر انٹیگرل ازم کی تعمیر کی کوئی نشاندہی نہیں ہوتی۔ پیپلز پارٹی کی طرح مسلم لیگی ایجنڈا بھی روایتی انداز میں اگر عوام کو بائی پاس کرنے کی کوشش کرتا ہے تو خاموش اکثریت کی مایوسیوں کے لاوے کو پھٹنے سے روکنا ممکن نہ رہے گا۔

آج تک پاکستانی سیاست کی تاریخ پر کرسیوں کی جنگ حاوی رہی ہے۔ موجودہ دور تیز رفتار تبدیلیوں کا دور ہے۔ جلد سماج کے مصائب و آلام میں ان تبدیلیوں کے باعث تیز رفتاری سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اقتدار کا کوئی قلعہ عوام کی طاقت کے بغیر محفوظ نہیں رہ سکتا۔ نواز شریف حکومت کے حقیقی اقتدار کی راہ میں داخلی اور خارجی پابندیوں کے بہت سے قلعے ہیں جنہیں عوام کی طاقت کے بغیر سر کرنا ممکن نہیں ہے۔ عوام ووٹ کی حد تک تو آزاد ہیں لیکن فیصلوں میں آزاد نہیں ہیں۔ ایک طرف عوام کے جذبات پر مقامی عصبیتوں کا غلبہ دوسری طرف وہ گلوبل فریم ورک کا ادراک نہیں رکھتے۔ بے نظیر حکومت غیر مقبول اس لئے ہوئی کہ اس نے عوام کے مسائل پیدا کر دیئے۔ بے نظیر حکومت کو ناکامی کا منہ اس لئے دیکھنا پڑا کہ وہ عوام کی قوت فیصلہ مضبوط کرنے کی بجائے اسے کمزور کرنے کے پراپیگنڈے میں مصروف رہی۔ وہ ملک کی اقتصادی سرگرمیوں میں اضافہ کرنے میں ناکام رہی۔ اب ان ہی مسائل کا چیلنج نواز شریف کو درپیش ہے۔ ان مسائل کا منبع اور سرچشمہ امپیریسٹ مفادات کی غلامی ہے اور اس غلامی کی وجہ سماج کا نان مینو فیکچرنگ ہونا ہے۔ دوسری طرف نواز شریف کو اسٹیبلشمنٹ کے ساتھ شراکت اقتدار کا مسئلہ درپیش ہے۔ داخلی اور خارجی تحالفات کے ہجوم میں نواز شریف کے لئے اپنے اقتدار کو تحفظ فراہم کرنا ان کی پہلی ترجیح ہوگی، یعنی وہ تصادم کی پالیسی افورڈ نہیں کر سکتے استحقاقات کی داخلی اور خارجی کشمکش میں نواز حکومت عوامی حقوق کے دفاع کے لئے کوئی جگہ بنا پائے گی یا ماضی کے حکمرانوں کی طرح خود کو حکومتی مفادات تک محدود کرے گی اس کے امکانات نعروں سے نہیں بلکہ عوام کے لئے تنظیمی کاوشوں سے پڑھے جاسکتے ہیں اور ابھی تک مسلم لیگ نے عوامی کاوشوں کو بامقصد طور پر کسی سمت

منظم کرنے کا کوئی اشارہ نہیں دیا۔ ماضی میں تمام منتخب حکومتیں اس لئے ناکام رہی ہیں کہ وہ عالمی استعمار کی استحصالی پالیسیوں کو پبلک سیکٹر کا پردہ مہیا کرنے کے لئے اس طرح استعمال ہوئی ہیں کہ مصائب زدہ عوام کے غضب کا نشانہ سامراج کی بجائے سامنے نظر آنے والے حکمران بن سکیں۔ ماضی کی سب حکومتیں آلہ کار کا رول کر کے ناکام ہوتی رہیں اور ملک گروی ہوتا چلا گیا۔ آج بڑھتے ہوئے احتیاج کے باعث قومی کردار کی داخلی اور خارجی خود مختاری اتنی محدود ہو چکی ہے کہ اس کی بحالی بغیر ایک منظم قومی تحریک کے ممکن نہیں رہی اور اسی قومی کردار کی تشکیل کے لئے مسلم لیگ کے تصورات کوئی قوت محرکہ سپلائی نہیں کر رہے ہیں۔ بے نظیر مشکلات کو جہاں چھوڑ کر گئی ہیں وہ نواز شریف کی مشکلات کی شروعات ہیں۔

نواز شریف نعرہ بازی کی سیاست سے گزر کر اس وقت حقائق اور ذمہ داریوں کے میدان میں کھڑے ہیں اب ان کی انٹر ایکشن کی اقتصادی قوتوں سے پنجہ آزمائی ہے۔ اس وقت صنعتی عمل کو افراط زر کے عفریت نے دبوچ رکھا ہے۔ افراط زر کی موجودہ روکے ہوتے ہوئے کوئی ملکی یا غیر ملکی سرمایہ کار اپنے سرمائے کو افراط زر کی لہروں کے حوالے نہیں کر سکتا۔ نواز شریف حکومت صنعتی عمل کی بیداری کے لئے زیادہ سے زیادہ غیر ملکی سرمایہ کاری پر بھروسہ کر سکتی ہے یا مقامی سرمایہ داروں کی سرمایہ کاری پر بھروسہ کر سکتی ہے لیکن سرمایہ کاری کا سب سے بڑا دشمن افراط زر کا تند و تیز ریلا ہے۔ افراط زر کے اسراع میں اضافے کے باعث پیداوار کی قیمتیں متزلزل رہتی ہیں۔ توانائی مہنگی خام مال مہنگا لیبر مہنگی الغرض تمام عواملین پیداوار میں مہنگائی کی تیز رو کے باعث لاگت پیداوار اس تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ سرمایہ کاری مارکیٹ کے عدم استحکام کے باعث غیر منافع بخش ہوتی جا رہی ہے۔ افراط زر کو روکنے کی کاوشیں افراط زر کو تیز کرنے کا باعث بن رہی ہیں۔ جس طرح جنگل میں پھیلی ہوئی آگ کو پانی سے بجھانے سے مزید آکسیجن اور ہائیڈروجن ملتی ہے جن سے وہ مزید بھڑکتی ہے یہی حال افراط زر کو روکنے کی کاوشوں کا ہو رہا ہے۔ افراط زر کی شروعات اس طرح ہوتیں کہ غیر ملکوں کو بھیجی جانے والی لیبر کی آمدنی صنعتوں کی بجائے مکانات اور تعیش پر صرف ہوئی۔ حکومت صرف زر مبادلہ کی مشک پرست رہی ملک میں بیسہ داخل ہوتا رہا لیکن اس کے مقابلے میں پیداوار نہ ہوئی۔ دوم ملکی صنعت اپنے ذہنی اثاثوں اور قومی محنت کی پیداوار نہیں بلکہ درآمدی مشینوں نے وسیع بے روزگاری کو جنم دے کر لوگوں کی قوت خرید کو نقصان پہنچایا اور وہ قوت خرید حاصل کرنے کے لئے غیر پیداواری ذرائع کی تلاش میں مصروف ہوگئے۔ سوم سرمائے کی یکطرفہ درآمد نے ادائیگیوں کے توازن میں بگاڑ پیدا کیا اور قرضے پیداوار سے بہت آگے نکل گئے۔ چہارم آبادی میں اضافے سے پیدا ہونے والی محنت کو سرمائے کا درجہ نہ دیا گیا اور اس کے مصرف کے لئے پلاننگ نہ ہوئی۔ اس طرح صارفین پیداوار سے آگے نکل گئے پنجم پیداواری ذرائع کے طور پر جنگی مشینری پیدا نہ کی گئی۔ دفاعی قرضوں نے پیداوار کے عمل کو دبوچ لیا اور افراط زر بڑھنے لگا۔ ششم غیر ملکی قرضوں پر بنایا گیا صنعتی عمل غیر مساوقتی ثابت ہوا صنعتی عمل غیر مساوقتی ثابت ہوا۔ صنعتیں بیمار پڑنے سے سرمایہ کاری ڈوبنے برآمدات کے تعطل بے روزگاری میں اضافے سمگلنگ کے مال کے فروغ غیر ملکی مصنوعات پر بھروسے کنزیومرازم میں اضافے اور بے شمر ڈی ویلیوایشن جیسے بے شمار نئے عوامل افراط زر کی افواج میں بھرتی ہوگئے پھر افراط زر کو کنٹرول کرنے کے لئے جب ٹیکس بڑھائے گئے تو لاگت پیداوار میں اضافہ ہوا۔ جب لاگت پیداوار بڑھی مہنگائی میں اضافہ ہوا۔ مہنگائی میں اضافہ ہوا تو تنخواہوں اور اجرتوں میں اضافے کا دباؤ پیدا ہوا۔ جب کہ ٹوٹ پھاپ کر پورا کرنے میں افراط زر کو مزید بڑھاوا ملا۔ بلا پیداوار افراط زر نے عوام کے معیار زندگی پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے اور عوام ضروریات کی کٹوتیوں کے لئے

کوتیوں کے لئے مجبور ہوگئے۔ زندگی کا گرما ہوا معیار بذات خود پیداوار کے لئے درکار عوامل مثلاً "محنت، صحت، تعلیم اور قوت خرید کی کوالٹی کو مسمار کر دیتا ہے، پھر سرمائے کی ناہمواریوں نے کمزور کو کمزور تر اور طاقتور کو طاقتور ترین کر کے استحصال کو متشدد بنا دیا بڑھتی ہوئی سماجی ناہمواریوں نے قوم کے پیداواری آہنگ کو توڑ پھوڑ ڈالا۔ اس سیل بلا خیز کو روکنے کے لئے گہری دانائی اور طاقتور عوامی عمل کی ضرورت ہے۔ کوئی انقلابی عمل بغیر انقلابی فلاسفی کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے کسی پسماندہ سماج میں جمہوری عمل بغیر جمہوری فلاسفی کے سوشلسٹ عمل بغیر سوشلسٹ فلاسفی کے لبرل عمل بغیر لبرل فلاسفی کے یا سرمایہ دارانہ عمل بغیر سرمائے کی فلاسفی کے پیدا نہیں ہو سکتا نہ ہی ہو سکتا ہے۔ جب تک عوام ماحول کی مخالفانہ مفاہمانہ قوتوں کے مطابق اپنے مقاصد اور مقاصد کے حصول کے لئے ذرائع کی پلاننگ سے آگاہ نہ ہوں وہ کوئی موثر جوابی عمل پیدا نہیں کر سکتے۔ دنیا میں ہر نجات دہندہ کسی عوامی عمل کا خالق بن کر نجات دہندہ کا خطاب حاصل کرتا ہے۔ یہ ہر آدمی کے بس کی بات نہیں کہ وہ قوم کو نجات کی اہلیت عطا کر سکے۔ نواز شریف کے ایجنڈے پر عوامی عمل کے لئے کسی نظریے کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ عوام کے ساتھ نظریاتی اور عملی شراکت کے بغیر اکیلا لیڈر کیا معجزے سرانجام دے سکتا ہے اس میں ابہام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(بشکریہ روزنامہ پاکستان)

ضرورت اساتذہ برائے صقارہ اکیڈمی

دار العرفان منارہ

میٹرک تک مندرجہ ذیل مضامین پڑھانے کی اہلیت رکھنے والے اساتذہ کی ضرورت ہے :-

۱۔ اردو

۲۔ عربی

۳۔ بیالوجی

تنخواہ اور دیگر مراعات حکومتی سکیلوں سے بہتر

درخواستیں بمعہ اسناد (فوٹو کاپی) پرنسپل صقارہ اکیڈمی دار العرفان منارہ ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال کو بھیج دیں۔

نوٹ: قارئین سے گزارش ہے کہ اس اشتہار کو اپنے حلقہ احباب تک بھی پہنچائیں۔

رزقِ حلال و طیّب

مولانا محمد اکرم اعوان

انسانی زندگی کا بیشتر مدار جو ہے وہ حصول رزق کے ذرائع پر ہے اور محققین فرماتے ہیں کہ اسی فیصد حصہ جو ہوتا ہے وہ رزق کا ہوتا ہے۔ اور پندرہ فیصد اسے ماحول اور معاشرہ متاثر کرتا ہے پانچ فیصد استاد کے لئے رہ جاتا ہے کہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے۔

رب جلیل نے بھی رزق کو اور طیب رزق کو اعمال صالح کی اساس اور بنیاد ارشاد فرمایا ہے **کلوامن الطیبات** اور یہ طیب کی شرط جو ہے یہ حلال ذرائع کی ہے اگر بنیادی طور پر رزق ہی حرام ہو تو اس کے طیب یا غیر طیب ہونے کا سوال پیدا نہیں ہوتا بلکہ رزق حلال کوتاہی اور سستی کی وجہ سے ناپاک کیا جاسکتا ہے تو صرف حلال نہ ہو بلکہ طیب بھی ہو پاک بھی ہو۔

ہمارے اس دور میں اور خصوصا ہماری قوم میں یہ ہیبت پیدا ہو گئی ہے کہ لوگ صرف دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے اسباب کے جواز یا عدم جواز کی طرف توجہ دینا نہیں چاہتے اور ایک دوڑ لگی ہوئی ہے جس میں ہر آدمی یہ چاہتا ہے کہ میرے پاس بے پناہ دولت ہو اور فورا ملے۔ راتوں رات امیر بن جائیں اور حیرت ہوتی ہے جو لوگ پہلے سے ارب پتی ہیں اور جن کے پاس کروڑوں میں دولت پڑی ہوئی ہے ضرورت سے زائد وہ بھی ناجائز وسائل اور ناجائز ذرائع کی طرف لپک رہے ہیں اور کروڑ پتی لوگ روز ہیروئن اور چرس کی سمگلنگ میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ تو جب انسانی زندگی کی بنیاد حرام پر استوار ہو گی جس وجود کی تعمیر حرام سے ہو گی۔ نبی رحمت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس کے بارے میں خبر دی ہے۔

کہ اگر کسی شخص کے اعمال ایسے بھی ہوں کہ اسے نجات ہو جائے لیکن وجود کا کوئی حصہ کچھ گوشت کچھ خون حرام سے بنا ہو تو حرام کا گوشت جنت میں نہیں جائے گا۔ اس حرام کو جلانے کے لئے اسے جہنم جانا پڑے گا۔ **النار اولی بہ** وہ آگ ہی کا مستحق ہے جنت میں جانے سے پہلے اسے وہ گوشت جہنم میں جاکر جلانا ہو گا۔ اور پھر اس کی جگہ اسے دوسرا گوشت اب اللہ کی مرضی کہ وہ کتنی دیر میں جلتا ہے۔

تو بنیاد حصول رزق کے ذرائع کو درست کرنا ہے۔ ہمارے ہاں یہ رواج ہے اور اکثر مشاہدے میں آتا ہے کہ ایک چور اور ڈاکو سے لیکر ایک زاہد گوشہ نشین تک، دولت کے معاملے میں بہت مشکل ہے کہ ان میں کوئی تمیز پیدا کی جاسکتی ہو۔ ایک شخص جرات سے سڑک پر کھڑے ہو کر لوگوں کو لوٹ لیتا ہے دوسرا کسی کی امانت کھا جاتا ہے۔ جھوٹ بول کر پیسے لے لیتا ہے، ناجائز ذرائع اور وسائل اختیار کرتا ہے، حصول رزق کے۔ اور حق تو یہ ہے کہ بھلے برے میں رزق کے معاملے میں تمیز کرنا مشکل ہے اور جب حصول رزق کے ذرائع سے حلت و حرمت اٹھ جائے تو ایسے لوگوں کی اصلاح مشکل ہو جاتی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں لوگ نمازیں پڑھتے ہیں، حج کرتے ہیں، سیحات پڑھتے ہیں، تلاوت کرتے ہیں لیکن عملی زندگی میں وہ سیدھے نہیں ہو پاتے درست نہیں ہو پاتے۔ **کلوا من الطیبت واعملوا صالحا** "طیب کھاؤ اور عمل صالح کرو" تو اس روش سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حلال اور طیب کھانا عمل صالح کی توفیق پیدا کرتا ہے۔

ہم چھوٹی

چھوٹی باتوں پر ناپاک کر دیتے ہیں کھانے کو ۔ مثلاً ہمارے گھروں میں نیل پالش استعمال ہوتی ہے ۔ اب نیل پالش جو ہے ناخنوں پر بیسیاں لگاتی ہیں اس کے لگانے سے ہاتھ پاک نہیں ہوتے کیونکہ ناخن کا تر کرنا شرط ہے جب اس پر غلاف چڑھ جاتا ہے تو اگر غسل واجب ہو تو غسل ادا نہیں ہوتا ۔ اگر آپ ناپاک ہو جائیں اور اوپر نیل پالش لگی ہوئی ہو تو دھونے سے پاک نہیں ہوتا چونکہ ناخن تک تو پانی پہنچتا نہیں ۔ وہ تو اسی کا اسی طرح رہتا ہے اب اس ہاتھ سے جو بھی پکے گا وہ غیر طیب ہو گا۔

اسی طرح گھروں میں بیسیاں نماز نہیں پڑھتیں اور جان بوجھ کر نماز چھوڑ دینے والی بی بی کے ہاتھ کا پکا کھانا غیر طیب ہوتا ہے ' طیب نہیں ہو سکتا ۔ عمداً چھوڑ دینا جو ہے نماز وہ خود ایک نجاست پیدا کر دیتا ہے ۔ چونکہ نماز کا چھوڑ دینا مفضی الی الکفر ہے اور مسلسل چھوڑ دینے سے ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے ۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اور کافر میں نماز حد فاصل ہے ۔ فرق ہے نماز کا ۔ تو اگر حلال رزق بھی ہو بلکہ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ جو کھانا بغیر وضو کے پکایا جائے اس کے کھانے سے بھی دل پر ایسا اثر پیدا ہوتا ہے کہ اس دن کے معمولات ضائع ہو جاتے ہیں اور وہ بات نہیں بنتی ۔ بی بی نمازی ہو ' رزق حلال ہو ' پکانے میں اتنی احتیاط نہ کی جائے کہ وضو کا خیال رکھا جائے تو وہ بات نہیں رہتی۔

اور بعض لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ ایک وقت کا کھانا کھا لیا جائے جسمانی طور پر آدمی کو کوئی عارضہ لاحق ہو جاتا ہے نہ صرف یہ کہ روحانی نقصان ہوتا ہے بلکہ جسمانی طور پر بھی ۔ ایک دفعہ ایک شخص نے ہمیں کھانا کھلایا تو میرے خیال میں عبد القدیر ساتھ تھا یہ چھوٹا سا تھا ۔ ہم تین ساتھی تھے تینوں کا برا حشر ہوا ۔ مجھے تو شاید ہفتہ دس دن بعد افاقہ ہوا تھا ۔ یہ کھانا اتنا زیادہ متاثر کرتا ہے سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حصول رزق میں حلت رزق کی پوری پوری تاکید پیش رہنی چاہئے ۔ حرام کھا کر کوئی شخص نیکی نہیں کر سکتا ۔ آنکھوں میں حیا نہیں آتی ' زبان پر سچ نہیں آتا ' ذہن میں کوئی نیک خیال نہیں آتا اور دل سیاہ ہو جاتا ہے ۔ پھر حلال کو لا کر اس کی پاکیزگی کا خیال رکھا جائے اس میں کوئی ایسی آمیزش نہ ہونے دی جائے جو ناپاک ہو یا اس کو ناپاک کر دے ۔ یہ چیز عمل صالح کی توفیق ارزاں کر دیتی ہے ۔ کوئی شخص اگر تجربہ کرنا چاہے تو آپ اسے بیشک کہیں کہ وہ حلال کی روٹی کو طیب کر کے کھائے پھر عبادات کے لئے اس کا دل چاہے گا ۔ جس طرح ہمیں کھانے کی بھوک لگتی ہے اسی طرح سجدوں کی بھی بھوک لگے گی ۔ تلاوت کے لئے ایسی کیفیت دل میں پیدا ہو جائے گی ۔ اس کی طلب پیدا ہو جائے گی ۔ تو فرمایا:

انی بما تعملون علیم میں تمہارے تمام اعمال سے واقف ہوں ۔ فرمایا لوگ ایک ہی جماعت تھے ایک ہی باپ کی اولاد تھے سب کی ماں ایک تھی ۔ ایک خاندان کے افراد ہیں ساری انسانیت ۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف رکھتے تھے تو ایک آدمی ان کے پاس چلا گیا اس نے کہا میں آپ کا بھائی ہوں مجھے میرا حصہ دیجئے ۔ اللہ نے آپ کو حکومت ' دولت اور سلطنت دی ہے ۔ کیونکہ میں آپ کا بھائی ہوں ' میرے ساتھ حصہ تقسیم کیجئے ۔ تو انہوں نے پوچھا تم میرے کیسے بھائی ہو ۔ کہنے لگا آپ اور میں آدم علیہ السلام پر جا کر اکٹھے ہو جاتے ہیں تو انہوں نے نصف درہم یا اٹھنی نکال کر اسے دے دی ۔ وہ بھی بڑے بذلہ سنج تھے ' کہنے لگے اتنی بڑی ریاست سے ایک اٹھنی ۔ فرمایا سب بھائیوں کو پتہ چل گیا تو اٹھنی بھی نہیں ملے گی یعنی سب بھائی اگر اس بات سے باخبر ہو گئے ' تقسیم کرنا پڑا تو اٹھنی نہیں آئے گی تمہارے حصہ میں اس لئے لے جاؤ۔

لیکن لوگوں سے فرمایا **انا ربکم** تم سب ایک خاندان ہو اور میں تمہارا رب ہوں یہ طے شدہ حقیقت ہے لہٰذا تم سب کو میرا حیا کرنا چاہئے میری بات کو بطیب خاطر قبول کرنا چاہئے لیکن لوگون نے ایسا نہیں کیا **فتقطعوا امرھم بینھم** ۔ لوگون نے اپنی رائے سے ' اپنی مرضی سے ' اپنی پسند سے ' مختلف راستے اختیار کر لئے اور لطف یہ ہے

کہ ہر فرقہ ' ہر طبقہ ' ہر مکتب فکر جو رواج اپنا لیتا ہے اسی کو حق کہتا ہے اور اسی پر خوش رہتا ہے ۔ اللہ کریم فرماتے ہیں انہیں اس کا انجام بھی دیکھ لینے دو ..... عنقریب ایک وقت آ رہا ہے' کسی راستے پر چلنا شروع کر دے کوئی شخص ' ایک نہ ایک دن اس کا اختتام ہو جاتا ہے اور وہ منزل آ جاتی ہے ' انہیں چل لینے دیجئے لیکن یہ فرما دیجئے اگر تمہیں گناہ میں بھی ' نافرمانی میں بھی رسوم و رواج میں اور اپنی مرضی سے وقت گزارنے میں بھی تمہیں مال و اولاد اور دنیا میں اقتدار و وقار حاصل ہو تو یہ مت سوچو ..... **فی الخیرات** .... کہ خدا تم پر نیکی کے دروازے کھول رہا ہے ' اللہ تم پر راضی ہے ' تمہیں اقتدار دے دیا یا وقار دے دیا یا تمہیں دولت دے دی یا تمہیں اولاد دے دی ۔ فرمایا یہ میری رضامندی کی دلیل نہیں ہے ۔

ہاں یہ بات ہے کہ لوگوں کو شعور نہیں ہے بات کو سمجھنے کا ۔ دنیا کی دولت یا دنیا کا رزق یا دنیا کی حکومت و سلطنت دے دینا یہ اللہ کی رضامندی کی دلیل نہیں ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا و ما فیہا کی قیمت اگر اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر ایک گھونٹ پانی کو ترستا رہتا اسے پانی بھی نہ ملتا۔

یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ انہیں جب میں مال و دولت سے ' اولاد سے نواز دیتا ہوں تو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ہم پر بڑا احسان کر رہا ہے لیکن یہ ان کی بے شعوری ہے اصل احسان جو ہے رب جلیل کا وہ ان پر ہے جن کے بارے میں فرمایا کہ ان **الذین ہم من خشیہ ربھم مشفقون** ۔ احسان یہ ہے کہ کسی کو میں اپنے اتنا قریب تر کر دوں کہ اٹھتے بیٹھتے اس کی نگاہ میری ذات پر ' میرے جمال پر ہو ۔ سوتے جاگتے اسے میرا خیال رہے ۔ میری ناراضگی کو برداشت نہ کر سکے ۔ والذین ہم بایات ربھم یؤمنون ایسے لوگ جنہیں میری آیات پر ایمان کی توفیق ارزاط ہوتی ہے ان پر میری رضامندی ہوتی ہے ۔ ایسے لوگ جو میرے اتنے قریب ہوتے ہیں کہ انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ اس جیسی کوئی دوسری ہستی نہیں **والذین ہم بربھم لا یشرکون** ۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ آپ سارا فلسفہ سمجھاتے رہیں انسان کے وجود سے شرک زائل نہیں ہوتا ۔ آپ کروڑوں دلیلیں دیں ۔ زبان سے آدمی کہہ سکتا ہے اللہ واحد ہے ' لا شریک ہے لیکن جب عملی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو اللہ پر بھروسہ کرنا محال ہو جاتا ہے۔

آپ کسی ناجائز وسیلے پر اعتماد نہ کریں اور جائز وسائل اور جائز ذرائع اختیار کریں ۔ چونکہ اللہ کا حکم ہے کہ اسباب کو اپنائیں لیکن اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے اس سے آگے جانے کی اجازت نہیں ہے ۔

شرک انسان کے وجود سے تب نکلتا ہے جب اس پر عظمت باری کا کوئی ذرہ بھی عیاں ہو جائے ۔ جب تک وہ اپنے آپ کو اللہ کے قریب نہ لے جا سکے اور اس کا دل جمال باری سے سیراب نہ ہو اس کے وجود سے شرک کی نفی نہیں ہو سکتی ۔ عملی زندگی میں وہ مشرک ہی رہتا ہے ۔ زبانی یا کہنے کے طور پر

دعا منہ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

یعنی بڑے سے بڑا ملحد ' بڑے سے بڑا کافر بیٹھا ہے ' اس کی منت کر لیں گے ' لیکن اللہ کریم کے سامنے دست سوال دراز نہیں کریں گے ۔ اور اس پر اعتماد نہیں ہوتا اور میرا تو یہ تجربہ ہے کہ لوگ بڑے دور دور سے آ جاتے ہیں کہ جی فلاں جگہ فلاں ' فلاں عدالت میں ' فلاں جج سے یہ کام ہے ۔ لوگوں کو یہ وہم ہے کہ شاید اس کی بات سارے لوگ مانتے ہیں تو میری عادت یہ ہے کہ میں ان امور میں مداخلت پسند نہیں کرتا۔ مجھے کیا پڑے جج کی اپنی ذمہ داری ہے ۔ رب کو اس نے جواب دینا ہے ۔ کون گنہگار ہے ' کون بے گناہ ہے میں اس میں مداخلت کیوں کروں ۔ تو میں اکثر یہ کہہ دیتا ہوں بھئی کہتے ہو تو دعا کر دوں گا ۔ پھر لوگ کہتے ہیں یہ بڑا بے کار آدمی ہے بات ہی نہیں سنتا یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں دعا کرنا تو مذاق کیا ہے اس نے ہمارے ساتھ ۔ ناراض ہو جاتے ہیں ۔ کسی سے یہ کہا

جائے کہ میں تمہاری بات اللہ کریم کے سامنے پیش کر دیتا ہوں ' اللہ کی منت کروں گا ۔ کہہ دیتے ہیں مذاق کر دیا اس نے ۔ ناراض ہو جاتے ہیں ۔ خفا ہو جاتے ہیں ۔ اور کسی کو کسی آدمی کی طرف چٹ دیدو تو وہ اس کی بات مانے یا نہ مانے وہ آپ سے راضی ہو جائے گا ۔ ہم سے خوش کر چلے جاتے ہیں کہ اس نے ہمارا کام کر دیا تو یہ کہاں کی توحید ہے کہ اللہ پر تو مطلق بھروسہ نہ ہو

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے۔

اور کافروں کے سینگ ہوتے ہیں یا دم نکل آتی ہے یا کفر کوئی جانور ہے جو کسی جنگل میں پایا جاتا ہے ۔ اگر عملی زندگی میں ایک شخص اپنے آپ کو رب جلیل کے دروازے پر کھڑا نہیں کر سکا تو زبانی کہنے سے کیا نتیجہ حاصل ہوتا ہے ۔ اس سے میری مراد یہ نہیں ہے کہ لوگ زبانی کہنا ہی چھوڑ دیں ۔ کم از کم زبانی اقرار کو تو قابو رکھیں ۔ عملی زندگی کو درست کرنا چاہئے ۔

اور فرمایا جن پر میری عطا ہوتی ہے وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے وہ کر سکتے نہیں کیونکہ ان کے سامنے جمال باری عیاں ہوتا ہے ۔ اب سورج کو ہم زندگی بھر دیکھتے ہیں ۔ اس کی روشنی کو ' اس کی گرمی کو ہم محسوس کرتے ہیں تو کبھی کسی شخص نے زندگی بھر سوچا بھی نہیں کہ کوئی اور سورج بھی ہے ۔ رات ہو جائے سورج نگاہوں سے اوجھل ہو جائے کبھی کسی نے سوچا ہے کہ کوئی دوسرا سورج تلاش کر لوں ۔ ہر کوئی صبح کا انتظار کرتا ہے کہ ایک ہی ہے صبح وہی طلوع ہو گا۔

یہی حال جمال باری کا ہے ۔ جب جمال باری کا سورج کی طرح نگاہوں کے سامنے آ جائے تب آدمی توحید پر قائم ہو سکتا ہے پھر اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اس جیسا دوسرا کوئی نہیں ہے اور اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو تو مجبور ہو کر کہتا رہتا ہے اللہ واحد ہے ' لاشریک ہے لیکن عملی زندگی میں نہ اس کا اس پر بھروسہ ہوتا ہے اور نہ اس کا عمل اس کے مطابق ہوتا ہے۔

فرمایاوالذین یوتون ما آتوا ۔ ایسے لوگ جن کو میری طرف سے نعمتیں ملتی ہیں تو وہ میری مخلوق میں تقسیم کرتے ہیں ۔ وہ لوگ نہیں جو لوگوں سے چھین کر زندہ رہنا چاہتے ہیں بلکہ وہ لوگ جو دوسروں کی زندگی کے اسباب پیدا کرتے ہیں۔

یہ جو ہے نا حیات یہ اصل تو وصف ہی ذات باری کا ہے ۔ **ھو حی لا یموت ابدا ابدا** ۔

یہ اصل وصف ذات باری کا ہے ۔ حیات اور جو جتنا رب جلیل کے قریب ہو گا اتنی اتنی اس میں حیات کی قوتیں زیادہ آئیں گی۔ اور یہ صرف مال و دولت حیات کے اسباب نہیں بلکہ اصل سبب نور ایمان ہے اور فرمایا دنیا میں لائق صد تحسین تو وہ لوگ ہیں جو میرے جمال سے اکتساب نور کرتے ہیں اور میری مخلوق کے سینوں کو منور کرتے چلے جاتے ہیں جو صرف زندہ نہیں رہتے ' ایک مخلوق کو زندگی تقسیم کرتے ہیں ۔ خلق خدا کو زندگی فراہم کرتے ہیں اور یہ قرب الٰہی کی بین دلیل ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کے ایسے لوگ جن کے پاس بیٹھنے سے خدا یاد آ جائے۔

یہی حال ان کا مادی دنیا میں بھی ہوتا ہے کہ لوگوں سے دولت یا اسباب لینے کی بجائے اپنی قوت بازو سے اپنی محنت سے اپنی مشقت سے رزق پیدا کرتے ہیں اور غرباء اور محتاج جو ہیں ان کی اس محنت کے پھل میں شریک ہوتے ہیں ۔ اور اس کے ساتھ ۔

قلوبھم وجلہ انھم الی ربھم راجعون ۔ ان کے دل کی نگاہ اس لمحے پر ہوتی ہے جب دنیا سے رخصت ہونا ہے اور رب جلیل کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

اب دیکھیں یہاں عقل کو چھوڑ دیا ہے رب جلیل نے اور قلب کو لے لیا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل انسانی اس مادی دنیا کے بقا کے لئے پیدا فرمائی اللہ کریم نے ۔ دماغ کو انسان کے وجود میں آنے سے لے کر موت تک کی باتیں سمجھنے کی صلاحیت عطا فرمائی ۔ موت اور ما بعد

الموت کو سمجھنا یہ فعل ہی دل کا ہے ۔ اسی لئے تاریخ انسانیت میں کسی فلسفی یا کسی دانش ور یا کسی مورخ یا کسی مدبر یا کسی طبیب نے موت اور ما بعد الموت کی بات نہیں کی ۔ زندگی کے اس تھوڑے سے وقفے کے متعلق ساری کی ساری معلومات ہیں ۔ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے یا مرنے کے بعد کی بات اگر ہمیں آپ کو سنائی دے گی تو ہمیشہ اللہ کے نبی اور اللہ کے رسولوں کی زبان سے ۔ چونکہ ان کے قلوب منور ہوتے ہیں اور آخرت کو سمجھنا یہ دل کا کام ہے ' یہ دماغ کا نہیں ہے ' اس لئے یہاں ارشاد ہوتا ہے ۔ **قلوبھم وجلہ انھم الی ربھم راجعون** ۔ ان کے دل اس بات کے خنظر اور اس بات سے لرزاں اور ترساں ہیں اور اس بات پہ ان کی نگاہ ہوتی ہے کہ ہمیں اللہ کریم کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

اولئک یسارعون فی الخیرات وھم لھا سابقون ۔ یہ اوصاف کسی میں پائے جائیں ۔ واقعی اس پر اللہ کریم کی مہربانیوں کی انتہا ہے ۔ بہت کرم ہے اللہ کا ایسے شخص پر جس میں یہ اوصاف پائے جائیں اور وہی سبقت کرنے والا ہے بھلائیوں کی طرف ۔ پھر فرمایا : دیکھو میرا کرم دیکھو کہ جتنی کسی وجود میں میں نے قوت رکھی ہے اتنی ہی محنت کا' اتنے ہی کام کا مطالبہ بھی کیا ہے ۔ اگر ایک شخص کھڑا نہیں ہو سکتا تو اس کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کھڑا ہونے والے کو ملتا ہے ۔ فرمایا:

لا نکلف نفسا الا وسعھا ۔ جتنی جتنی میں نے قوت کار اور استعداد کار رکھی ہے کسی وجود میں اس سے زیادہ کا مطالبہ اس سے نہیں کرتا اتنے ہی کا مکلف ہے وہ۔

ولدینا کتاب ینطق بالحق ۔ اور ہمارے پاس تو وہ دفتر ہے جو خود بولتا ہے اور حق بتاتا ہے کوئی اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی ۔ **وھم لا یظلمون** ۔ اور لوگوں کے ساتھ کبھی زیادتی نہیں کی جائے گی بلکہ اصل بات یہ ہے :

بل قلوبھم فی غمرہ من ھذا ۔ کہ لوگوں کے دل اندھے ہو گئے ' بے شعور ہو گئے ' بے ہوش ہو گئے ' ان باتوں کو سمجھنا دل کا کام ہے اور لوگوں نے حیات قلبی کی طرف توجہ ہی نہ دی ۔ جنہیں آپ مردہ دل کہیں وہ وہ لوگ ہیں جو ایمان سے خالی ہو چکے اور کفر میں مبتلا ہو گئے اور جو کفر تک نہیں پہنچے اور فسق و فجور سے جان چھڑا نہیں سکے فرمایا ' ان کے دل بھی بے ہوش ہیں ۔ چونکہ بے ہوش آدمی کو اپنے بھلے برے کی تمیز نہیں ہوتی ۔ اگر ہوش اور حواس سلامت نہ رہیں تو عزت و آبرو کا خیال نہیں رہتا ۔ لوگ کپڑے پھاڑ کر بازاروں میں بھاگ رہے ہوتے ہیں ۔ نہ شرم ہوتی ہے نہ حیا ہوتی ہے ' نہ عزت و آبرو کا احساس ہوتا ہے ' اپنے مال کا' دولت کا ' کسی چیز کا بھی احساس نہیں ہوتا ۔ جس کا دل بے ہوش ہو جائے اس کے اوقات ضائع ہوتے رہتے ہیں ۔ نہ اس کو سجدہ کرنے کی توفیق ہوتی ہے ' نہ اللہ کے ذکر کی توفیق ہوتی ہے ' نہ نیکی کے کاموں کی توفیق ہوتی ہے ۔ تو یہ دل کی بے ہوشی ہے ' دل کی غفلت ہے اور دل کسی ایسی گہری نیند میں ڈوب چکا ہے ۔ ہمیشہ یہ اصول ہے کہ غشی اگر لمبی ہو جائے تو یہ موت کا سبب بن جاتی ہے ۔

آپ طبی دنیا میں دیکھیں کہ اگر آدمی مسلسل بے ہوش رہے ' اس کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے ۔ یہی حال قلوب کا ہوتا ہے جب یہ مسلسل بے ہوش رہیں اور مسلسل اعمال صالحہ کو ضائع کرتے چلے جائیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے ۔ آخری حد یہ ہوتی ہے کہ ایمان سلب ہو جاتا ہے اور لوگ مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہو کر کفر پر مرتے ہیں ۔ کتنی بد نصیبی کی جا ہے ۔

لیکن اس سارے قصے کی بنیاد رب جلیل نے طلب انسانی کو قرار دیا ہے اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ان حقائق اخرویہ کو اور فلسفہ الہیات کو سمجھنا اور قبول کرنا یہ دل کا کام ہے اور جن کے دل ہی بے ہوش ہو جاتے ہیں ۔

ولھم اعمال من دون ذلک ھم لھا عاملون ۔

یہ جو اللہ کے بندوں کا کردار ارشاد ہوا ہے اس کے خلاف عمل ہو جاتا ہے ان کا اور پھر ساری زندگی غلط کام کرتے رہتے ہیں۔ پھر انہیں یہ شعور ہی نہیں ہوتا' یہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ میں کیا کر رہا ہوں جس طرح ایک دیوانہ کپڑے پھاڑ کر بازار میں بھاگتا ہے نا وہ پروا نہیں کرتا' اسے احساس ہی نہیں ہوتا کہ میں کیا کر رہا ہوں' اسی طرح لوگ گناہ کی زندگی میں دوڑتے رہتے ہیں اور انہیں کبھی شعور نہیں ہوتا' وہ رک کر اپنے آپ کو اپنے ماحول کو' ارد گرد کو دیکھتے تک نہیں' اس لئے کہ ان کے دل مدہوش ہوتے ہیں' بے ہوش ہو چکے ہوتے ہیں۔

ایمانیات کو اور اعتقادات کو قبول کرنا اور سمجھنا یہ دل کا کام ہے اور دل میں توحید اس وقت آتی ہے جب یہ خود جمال باری سے روشن ہو۔ جب تک تجلیات باری قلب پر وارد نہ ہوں عملی زندگی میں توحید مشکل ہو جاتی ہے' زبانی کہنا دوسری بات ہے لیکن جب عمل کی گھڑی آتی ہے تو انسان اس پہ قائم نہیں رہ سکتا۔

اور یاد رکھیں اللہ کو الہ ماننا کچھ مشکل نہیں ہے' اللہ کو رب ماننا عملی زندگی میں بڑا مشکل ہے اور رب اس نے مانا اس نے حصول رزق کے ناجائز ذرائع سے ہاتھ کھینچ لیا۔ اس لئے کھینچ لیا کہ رزق دینا تو اللہ کا کام ہے تو میں اللہ کی ہی نافرمانی کر کے رزق حاصل کرنے کی کوشش کیوں کروں جو کچھ اس نے میرے حصے میں کر دیا ہے وہ مجھ تک پہنچائے گا۔ اسباب جو میں اختیار کئے ہوئے ہوں' یہ رزق حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے بندوں کے اسباب اللہ کی رضا کے لئے ہوتے ہیں۔ اس نے اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اس کی مرضی کہ اس سے کیا نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ اس کا اپنا کام ہے اور اگر توقع سے کم حاصل ہو تو یہ شکوہ نہ کرے کہ کم حاصل ہوا اور اگر زیادہ حاصل ہو تو اس بات پر خوش نہ ہو جائے کہ میں نے کوئی بڑا تیر مارا۔ میرے ذہن نے میری تدبیروں نے کام کیا۔ نہیں بلکہ اللہ کریم نے رزق تقسیم کر دیا ہے۔ دنیا سے کوئی متنفس ایسا نہیں اٹھتا جو اپنے حصے کا پورا رزق وصول کر کے نہ جاتا ہو۔ کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے کہ وہ دنیا سے چلا جائے اور اس کے حصے کا کوئی ایک قطرہ پانی کا کوئی ایک دانہ غلے کا یا کوئی ایک جھونکا ہوا کا' کوئی ایک جھونکا آکسیجن کا اس کے حصے کا باقی رہ جائے' ایسا نہیں ہوتا۔

الا وان النفس لن تموت حتی تستکمل رزقها

۔ کوئی جان اس وقت تک قبض نہیں ہوتی جب تک وہ اپنا پورا رزق وصول نہ کر لے۔

تو پھر حصول رزق کے لئے ناجائز ذرائع اختیار کرنا ربوبیت پر یقین و اعتماد کو متذبذب کر دیتا ہے۔ اس لئے یہاں شرک کو ربوبیت کے ساتھ ارشاد فرمایا:

والذین هم بربهم لا یشرکون ۔ یعنی صرف عبادات میں اللہ کی عبادت کرنا نہیں بلکہ ربوبیت میں بھی کسی دوسرے کو اس کے برابر نہیں سمجھتے' نہ اپنی تدبیروں کو' نہ اپنی محنت و مشقت کو اور نہ خدا کے سوا کسی دوسری ہستی سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ میرے رزق کا یا وہ میری مشکلات کے حل کا' مصیبتوں کو دور کرنے کا سبب بنے گا۔

اور اس ساری بات کا مدار ہے دل کی زندگی پر۔ اگر تو اللہ کریم دل کو زندگی عطا کر دے۔ دل ہوش میں آ جائے' بے ہوشی سے نکل آئے۔ اور دل ہوش میں آتا ہی تب ہے جب اس پر جمال باری کے انوارات کی کوئی ریزش پڑے' کوئی قطرہ برسے' ورنہ جس طرح زمین مردہ ہو جاتی ہے بغیر بارش کے اور اس میں بگولے اٹھتے ہیں اسی طرح دل بھی ویران ہو جاتے ہیں۔ ان میں آندھیاں چلتی ہیں' بگولے اٹھتے ہیں' ابر رحمت نہیں برستا' جب تک تجلیات باری اس پر متوجہ نہ ہوں۔

تو اس ساری بحث کا ماحصل یہ ہے کہ تمام انسانوں کو عموماً اور بالخصوص تمام مسلمانوں کو اپنے دل کی طرف پوری توجہ دینی چاہئے۔ اپنے قلب کی طرف پوری

بقیہ صفحہ نمبر ۲۵ پر

جذبہ جہاد سے ہراساں دشمنان اسلام

پروفیسر ڈاکٹر محمد عالمگیر خان

یہ امر واقعہ ہے کہ جو دینی حماس اور مذہبی غیرت و حمیت قرون اولی کے مسلمانوں کا خاصہ تھی اب عنقا ہو چکی ہے ۔ فی زمانہ امت مسلمہ میں ایمان و ایقان ' تہذیب و تمدن ' اخلاق و ثقافت اور معیشت و معاشرت میں جس تباہ کن زوال کا دور دورہ ہے اس کی نظیر اسلام میں ڈھونڈھے سے نہیں ملتی ۔ مسلمانوں کو اپنی کمزوریوں اور صراط مستقیم سے فرار کی وجہ سے کئی بار دھچکے لگے ۔ ۱۴۹۲ء میں سقوط اندلس (سپین) ۱۹۴۷ء میں سقوط کشمیر ' ۱۹۴۸ء میں سقوط فلسطین ' ۱۹۶۲ء میں سقوط ایریٹیریا اور ۱۹۷۱ء میں سقوط مشرقی پاکستان اہل اسلام کی ابتلاؤں کی چند نمایاں اندوہناک مگر سبق آموز داستانیں ہیں ۔ ان جملہ حقائق کے باوجود دین فطرت اسلام میں ایک جبلی وصف اور خلقی استعداد ہے جو جذبہ جہاد ہے ۔ وقت آ جانے پر بد سے بدتر مسلمان بھی اس پاک و بے باک جذبے سے سرشار ہو جاتا ہے اور اپنا تن من ' دھن اور جان بھی نثار کرنے سے گریز نہیں کرتا ۔ صحیح طور پر وہ شہادت کو مغفرت کا ایک آسان ذریعہ سمجھتا ہے اور ساری عمر کے گناہوں کا مداوا ۔ اس لئے کوئی بھی کلمہ گو اس جذبے پر نہ کوئی سودا بازی کرتا ہے اور نہ کسی لچک کو گوارا کرتا ہے بلکہ اس ناطے احکام اللہ پر بلا چون و چرا کار بند ہو جاتا ہے ۔ یہ وہ جذبہ ہے جو مومنے کو شہباز سے لڑا سکتا ہے ۔ اسکی ہیبت سے میدان جنگ میں شیروں کے پاؤں بھی اکھڑ جاتے ہیں اور دشمنوں کے قصر و کاخ لرز جاتے ہیں ۔ اسی جذبے سے سرشار ہو کر سپاہ سالار علی الحق نے سیالکوٹ کے راجہ داہر کی سلطنت کی وہ بیخ کنی کی تھی کہ الامان ۔ اس جذبے کی بدولت صلاح الدین ایوبی نے یورپ کی با لکلیہ فوج اور شیردل رچرڈ کے چھکے چھڑا دیئے تھے ۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے طارق بن زیاد کو جبل الطارق (جبرالٹر) کے ساحل پر پہنچ کر اپنی کشتیاں جلانے کے لئے تیار کر دیا تھا ۔ اسی جذبے کے تحت سترہ سالار سپاہ سالار محمد بن قاسم نے سندھ اور جنوبی پنجاب کو فتح کیا اور یہی وہ جذبہ ہے جو کہ پاکستان اور دوسرے اسلامی ممالک کے نوجوانوں و کشمیر ' فلسطین ' بوسنیا اور چیچنیا میں جا کر اپنی جانوں کی قربانی دینے پر اکساتا ہے ۔ اسی ارفع و اعلی جذبے نے ایک ان پڑھ بڑھئی علم دین کو ناموس رسول اللہ پر جان قربان کرنے کے لئے بے چین کر رکھا تھا ۔ یہی وہ ہوا ہے جو ایک مہیب خوف بن کر صدیوں سے یہود و ہنود و نصاری کے دلوں پر مسلط ہے اور انکی راتوں کی نیند حرام کئے ہوئے ہے ۔ یہ دیرینہ ہول انہیں بار بار بہ بانگ دہل کہنے پر مجبور کر رہا ہے کہ اسلام کو تباہ و برباد کر دینا ان کے لئے ناگزیر ہے ۔ دشمنان اسلام کے اولو الالباب اور اولو الامر کے ایسے اقوال و آراء سے آگاہی ہر کلمہ گو کے لئے ضروری ہے تاکہ وہ انکی سازشوں سے باخبر رہیں ۔ اس مفروضے میں کوئی دروغ نہیں کہ اس کرہ ارض کے ہر گوشے میں مسلمانون کو زک پہنچانے کے لئے کوئی نہ کوئی دشمن گھات لگائے بیٹھا ہے ۔ ایسے اقوال و آراء تو بے شمار ہیں مگر میں طوالت مضمون کے ڈر سے صرف چند ایک پیش خدمت کر رہا ہوں ۔ سر چارلس ٹریولین جو کہ مدراس کا گورنر تھا اس نے 1938 میں ایجوکیشن انکوائری کمیٹی کے کنوینر کی حیثیت سے اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ " مسلمانوں کا نظام تعلیم طاقت ' فخر و مباہات اور جوش و عزائم پر مبنی ہے ۔ ان کا یقین ہے کہ یہ کرہ ارض مومنین کی میراث ہے ۔ ان کے علاوہ سب کافر اور غاصب ہیں ۔ تمام

ملک با اختیار خداوندی مسلمانوں کے ملک ہیں ۔ خوش بختی سے تعلیم کے یہ میلانات بہت مشکل زبان عربی میں لکھی ہوئی کتابوں اور چند علماء کے ذہنوں میں بند ہیں جو شاذو نادر ہی نہایت مضمحل انداز میں لوگوں کے جذبات میں جھلکتے ہیں ۔ یورپی تعلیمی مراکز کے ذریعے صرف یورپی تصورات سے ان کو گرما کر ہی یہ ممکن ہے کہ ان قومی نظریات کو ایک نیا رخ دیا جا سکے ۔ باوجودیکہ اسلام ایک سخت جان مذہب ہے اور مسلم نوجوان جس نے انگریزی تعلیم پائی ہے بہت ہی مختلف طرز کا انسان ہے جس میں اشتعال پذیر مذہبی جذبات (جہاد و شہادت) عنقا ہو جاتے ہیں " ۔

آئی یورجین روستو جو کہ امریکی وزارت خارجہ کے شعبہ منصوبہ بندی کا صدر اور نائب وزیر خارجہ تھا اور 1967 تک صدر جانسن کا مشیر خاص بھی تھا نے ایک بیان دیا تھا کہ " ہمیں اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ ہمارے اور عرب اقوام کے مابین پائے جانے والے اختلافات دراصل صدیوں پر محیط اسلام اور مسیحیت کے مابین پائی جانے والی کشاکش کا نتیجہ ہیں ۔ یہ کشمکش ہمیشہ سے آتش فشاں لاوے کی طرح برقرار رہی ہے ..... امریکہ مغربی فلسفے عقیدے اور نظام حیات غرضیکہ زندگی کے ہر پہلو کا ترجمان اور نمائندہ ہے ۔اس لئے اسکے لئے لازم ہے کہ اس اسلامی مشرقی دنیا کے بارے میں معاندانہ نقطہ اور موقف اختیار کئے رکھے ۔ اس کے لئے یہ امر بالکل ناممکن ہے کہ وہ مغربی دنیا اور اسرائیل کے بارے میں غیر دوستانہ رویہ اختیار کرے .... یورپی استعمار کا مشرق وسطی میں اسکے سوا کچھ مقصد نہیں ہے کہ اسلامی تہذیب و ثقافت کو ہر ممکن طریقے سے تباہ و برباد کر دیا جائے اور اس مقصد کے لئے اسرائیلی ریاست کا قیام اور اسکی سلامتی و استحکام امریکہ کا نصب العین اور اسکی منصوبہ بندیوں کا لازمی جزو ہے ..... یعنی ہم یورپ اور مسلمانوں کے مابین صلیبی جنگوں کو ہر قیمت پر جاری رکھنا چاہئے " ۔

فرانسیسی جرنیل غورو جب ملک شام کو فتح کر لینے کے بعد دمشق پہنچا اور ترکی افواج اسکے سامنے اپنے ہتھیار ڈال چکیں تو اس نے فورا اموی جامع مسجد میں غازی اسلام صلاح الدین ایوبی کی قبر مبارک پر لات مارتے ہوئے کہا : " او صلاح الدین اٹھ اور دیکھ کہ ہم اپنی شکستوں کا بدلہ لے چکے ہیں اور تیری سرزمین پر بطور فاتح لوٹ آئے ہیں " ۔

اہل فرانس میں صلیبی جنگوں کی روح اس وقت کے فرانس کے وزیر خارجہ کے اس بیان سے اظہر من الشمس ہو جاتی ہے جو اس نے مراکش میں جنگ و جدل کے بارے میں دیا تھا۔ " یہ معرکہ نہیں رکے گا کیونکہ یہ فرانس اور مراکش کے مابین نہیں لڑا جا رہا ہے بلکہ یہ ہلال اور صلیب کی جنگ ہے ۔ یہ اپنے منطقی انجام پر جا کر ہی ختم ہو گی " ۔

1967 ء میں جب بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ سے دوبارہ چھن گیا تو مسٹر چرچل کا یہ بیان ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہونا چاہئے :" بیت المقدس کو اسلام اور مسلمانوں سے رہائی دلانا ہم مسیحیوں اور یہودیوں دونوں ہی کا مشترکہ خواب یا نصب العین تھا۔ لہٰذا اس کو رہا کرائے جانے پر جو خوشی مسیحیوں کو حاصل ہوئی ہے وہ یہودیوں کی خوشی سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے " ۔

جون 1967 ء میں القدس پر دوبارہ یہودی قبضہ ہوا ۔ عین اسی دن برلن میں کارڈینال بور نے یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک مشترکہ مذہبی تقریب میں بیان دیا تھا کہ :" عیسائیوں کے لئے واجب ہے کہ وہ یہود کے ساتھ ہر حوالے سے تعاون کریں تاکہ اس طرح ارض مقدس کو مکمل طور پر اور ہمیشہ کے لئے آزاد کرایا جا سکے اور اسکے ساتھ ساتھ اسلام کا بھی خاتمہ کیا جا سکے " ۔

بادشاہ لوئیس جو کہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار رہ چکا تھا ۔ نے اپنے ارباب حل و عقد سے مل کر اسلام کو ختم اور مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے ایک مشترکہ حکمت عملی پر مبنی لائحہ عمل تیار کروایا جس میں بنیادی اصول یہ تھا کہ مسلمانوں کو جنگوں کے ذریعے شکست دے

کر مفتوح و مغلوب بنانا تقریبا ناممکن ہے ۔ اس لئے ان پر فتح و غلبہ حاصل کرنے کے لئے ایسا لائحہ عمل اور پالیسیاں اختیار کرنی چاہئیں جن سے مسلم قائدین کے مابین اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو جائے اور اسے مزید گہرا اور وسیع کیا جائے ۔ نیک اور صالح قیادت کو ہرگز قائم نہ ہونے دیا جائے ۔ رشوت ' تخریب کاری اور عورتوں میں فحاشی کو پروان چڑھا کر مسلم معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کیا جائے۔ مسلم افواج کے دلوں میں سے جہاد فی سبیل اللہ اور شوق شہادت کو گمراہ کن حربوں اور سازشوں سے ناپید کر دیا جائے۔ مسلمانوں خاص کر عربوں کے اندر وحدت و اتحاد کو پیدا نہ ہونے دیا جائے۔ عرب ممالک کے قرب و جوار میں ایک ایسی یورپی یا یورپ کی حلیف وفادار ریاست قائم کی جائے جو جنوب میں غزہ کی پٹی تک اور شمال میں اطاکیہ تک پھیلی ہوئی ہو اور مشرق و مغرب کی جانب پھیلنے اور وسعت پذیر ہونے کے اپنے اندر زیادہ سے زیادہ امکانات رکھتی ہو۔

روس کی ریاست ازبکستان کے ایک روزنامہ کیریل کے ۲۲ ۔ مئی ۱۹۵۲ء کے اداریہ میں سے یہ اقتباس قابل غور ہے : " اسلام کو نیست و نابود کئے بغیر کمیونزم کے لئے ازبکستان میں ہی نہیں بلکہ عالم انسانی میں کہیں بھی جڑیں پکڑ سکنا ناممکنات میں سے ہے ۔"

مشہور یورپی دانشور لارنس براؤن نے کہا تھا :" پس ہمارے لئے واجب ہے کہ ہم عربوں اور مسلمانوں کو منتشر اور پراگندہ رکھنے کی کوششوں اور تدابیر کو جاری رکھیں تاکہ وہ اس طریقے سے ہر طرح کی قوت و طاقت اور اثر و تاثیر کے بغیر بے کام و نامراد زندگی گزارنے میں مشغول رہیں " ۔

گلیڈ سٹون سابق وزیر دفاع اور وزیر خارجہ اور وزیر اعظم برطانیہ نے برطانوی پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا : " جب تک یہ قرآن مسلمانوں کے ہاتھوں یا انکے قلوب و اذہان میں موجود رہے گا اس وقت تک یورپ اسلامی مشرق پر اول تو اپنا غلبہ و تسلط قائم نہیں کر سکتا اور اگر قائم کر لے تو وہ اسے برقرار رکھنے میں زیادہ دیر تک کامیاب نہیں رہ سکتا حتی کہ خود یورپ کا اپنا وجود بھی اسلام کی جانب سے محفوظ یا مصئون نہیں رہ سکتا " ۔

فرانس کے ایک سابقہ وزیر خارجہ ہانو تو نے اسلامی خطرے کے موضوع پر اپنی رائے کا اظہار یوں کیا تھا کہ باوجودیکہ ہمیں امت اسلام پر غلبہ و تسلط حاصل ہے لیکن اسکے باوجود اسکی جانب سے خطرہ کے امکانات با لکلیہ معدوم نہیں ہوئے ہیں ..... اسکے کھڑے ہونے اور کسی وقت بھی آمادہ بغاوت ہو جانے کا ہر وقت امکان موجود ہے "

یورپی دانشور اور سکالر البرشادور کا ایک بیان ہے کہ : " مسلمان بیدار ہو چکا ہے .... اگر اس نے ہم پر یلغار شروع کر دی تو اس کو روکنے میں نہ تو ہمارے میزائل کامیاب ہو سکیں گے اور نہ ہی ایٹم بم "

اشعیا بومان یورپ کا ایک معروف دانشور اپنے مقالہ میں یوں رقم طراز ہے : " یورپ کے لئے واجب ہے کہ وہ اسلام کو اپنے لئے خوف و خطرہ کا سبب قرار دے جو کہ بلاجواز اور بلا اسباب نہیں ہے .... اسلام سے خوف محسوس کرنے کا ایک اہم ترین سبب یہ ہے کہ اسلام کے اساسی و بنیادی ارکان میں سے ایک اہم ترین رکن جہاد ہے۔

یورپ کی ایک اور علمی شخصیت انطونی ناتج اپنی کتاب العرب میں لکھتا ہے کہ : " یورپ کے لئے واجب ہے کہ وہ اسلام کو ایک دوامی و ہمہ گیر قوت اور سخت جاندار طاقت کے طور پر ایک خطرہ کی چیز تصور کرتا رہے ۔ اور اسکے سدباب کے لئے لازمی تدابیر اختیار کرتا رہے "

مستشرق آر ۔ بی گب کی رائے ہے کہ : " اب اسلام کا اثر و نفوذ چند ایک مذہبی رسوم و تقریبات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے اور یہ سب کچھ اس قدر ہوشیاری و حکمت اور تدبیر سے تدریجی طور پر ہوا کہ مسلمانوں کو اسکی کانوں کان خبر تک نہیں ہوئی ۔ یہ سب کا سب نتیجہ ہے

ہماری اس تعلیمی پالیسی یا جدوجہد کا جو ہم نے عالم اسلامی کے اندر لادینی نظام تعلیم اور لادینی تہذیب و ثقافت کو رواج دینے کے لئے مسلسل برپا کر رکھی ہے "

اس موضوع پر مشہور مورخ ٹائن بی نے اس طرح اظہار خیال فرمایا تھا: " بے شک اسلامی اتحاد و وحدت آج سوئی ہوئی ہے لیکن ہمیں اس امر کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ سویا ہوا انسان بیدار بھی ہو جایا کرتا ہے "۔

امریکہ کے ایک مشہور زمانہ رسالہ ٹائم کا چیف ایڈیٹر اپنے مضمون سفر ایشیا میں رقم طراز ہے: " امریکہ کا فرض ہے کہ وہ اسلامی ممالک میں ایسی فوجی ڈکٹیٹرشپیں قائم کرے جو کہ امت مسلمہ کے ہاں اسلامی دعوت کے راستے میں رکاوٹ بنی رہیں ..... اور یورپی استعمار کا غلبہ اور تسلط برقرار رہے "

آپ کو شاید معلوم ہو کہ فلسطین کے بعض مقبوضہ علاقوں میں منظم لیکن بڑے ہی پرامن طریقے سے یہودی نوجوان عورتوں کے ساتھ مسلم عرب نوجوانوں کے اختلاط کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں ۔ جو ان عورتوں کی پیشکش کو ٹھکرا دیتے ہیں انکو اسرائیلی پولیس ہراساں کرتی رہتی ہے ۔ ان ہتھکنڈوں سے انکی کوشش ہوتی ہے کہ یہ بہادر مسلمان اسرائیل کے خلاف مزاحمتی تحریکات میں بڑھ چڑھ کر حصہ نہ لیں اور خود بم بن کر اسرائیلیوں کو تباہ و برباد کر کے اپنا شوق شہادت پورا نہ کریں۔

مندرجہ بالا حقائق قرآن حکیم میں فرمان ایزدی کے عین آئینہ دار ہیں کہ ہنود (بت پرست) و یہود و نصاریٰ کبھی بھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے ۔ ان کے حملوں و سازشوں سے بچنا چاہئے ۔ چراغ مصطفوی و شرار بو لہبی میں اب بھی جنگ جاری ہے ۔ اس پس منظر میں ہمیں ان سے کسی قسم کی مدد کی امید سراب کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ انکے پیچھے پیچھے کشکول گداگری لے کر پھرنا نہ صرف بالکل بے سود ہے بلکہ خودداری و حمیت کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے اور قرآن سے صریحاً انحراف ہے :

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی

مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

ان کی بجائے ہمیں اپنے برادر اسلامی ممالک اور مشرق بعید یعنی چین کوریا اور جاپان کی طرف رجوع کرنا چاہئے ۔ آپ کو معلوم ہو گا کہ ترکی اسلحہ سازی میں بہت آگے جا چکا ہے ۔ اب تو وہاں ایف ۔ 16 لڑاکا طیارے بھی بن رہے ہیں ۔

پاکستان اپنے بنیادی و اساسی نظریہ اسلام ' ایٹم ٹیکنالوجی ' محل وقوع اور اسلامی ذہن کے حامل عوام و افواج کی وجہ سے یہود و ہنود و نصاریٰ کی ہٹ لسٹ پر سرفہرست ہے ۔ انکے طریقہ واردات کے پہلے خفیہ پہلو نے ہماری معیشت ' معاشرت ' نظم و نسق اور داخلی و خارجہ حکمت عملی کو بھنور میں ڈال رکھا ہے ۔ حد سے گزرنے والی پرائیوٹائزیشن کی لعنت کی وجہ سے ہم اپنے تمام وسائل ' معدنیات ' ریلوے ' بجلی گھر ' صنعتیں ' ذرائع آبپاشی یہاں تک کہ انتہائی حساس ادارے ۔ مثال پی ٹی سی ' بی آئی اے اور بندرگاہیں تک اغیار یا انکے ایجنٹوں کے ہاتھ فروخت کر رہے ہیں ۔ سی بی آر سٹیٹ بنک و دیگر معیشتی اداروں پر آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے کنٹرولر و مشیر مقرر ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔

صفحہ نمبر (۲۱) سے آگے

توجہ دینی چاہئے کہ آیا اس میں کوئی احساس و شعور بیدار ہوا ہے یا نہیں ۔ اس نے آنکھ کھولی ہے یا نہیں ۔ جھوٹ بولنے سے ' غلط کام کرنے سے اس پر کوئی تکدر آتا ہے یا نہیں ۔ یہ اسے محسوس کرتا ہے یا نہیں ۔ اگر تو گناہ سے اسے کوئی تکلیف ہوتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس میں زندگی تو ہے اور اگر گناہ کو بے چون و چرا قبول کرتا ہے تو سمجھ لو کہ یہ اگر مرا نہیں تو ہوش میں بھی نہیں ہے ۔ اور اگر ایسی حالت ہو تو بہت فکر مندی کی بات ہے ۔ انسان کو فکر کرنا چاہئے اور اپنے آپ کو اس مقام پر لے کر جائے کہ جہاں اطاعت الٰہی اس کی غذا بن جائے۔

حکمران اور اللہ والے

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

بلاشبہ میاں نواز شریف اس وقت ملک کے اہم ترین اور مصروف ترین آدمی ہیں اور " ایک انار سو بیمار " والا معاملہ ہے ' مسائل و معاملات کے ایک نہیں کئی پٹارے انکے سامنے کھلے پڑے ہیں ۔ عالمی برادری میں پاکستان کے وقار کی بحالی سے لے کر علاقائی تنازعات اور وہاں سے لے کر اندرون ملک امن وامان ' مہنگائی ' کرپشن ' سیاسی استحکام اور روزمرہ دفتری امور تک انہیں گھیرے ہوئے ہیں ۔ حقوق اللہ کی ادائیگی اور حقوق العباد کی انجام دہی ایسے کاموں نے وزیر اعظم کو ایک طرح سے پل صراط پر کھڑا کر رکھا ہے ۔ ایسے میں میاں صاحب کیا پڑھ سکیں گے اور کتنا سن سکیں گے ؟ اس کا احساس ہر شخص کی طرح ہمیں بھی ہے لیکن ہم ان سے ملاقات کا وقت نہیں مانگ رہے اور نہ اس سے قرب کی خواہش ظاہر کر رہے ہیں ' بلکہ ان کی توجہ ایک ایسی صحبت کی طرف دلا رہے ہیں جس کا سارا مکالمہ میاں صاحب کے منصب اور مستقبل سے تعلق رکھتا ہے ۔ متکلم حضرت فضیل بن عیاض جیسا درویش خدا مست اور سامع ہارون الرشید جیسا حامل تاج و تخت ۔ میاں نواز شریف بہت بڑے حکمران سہی مگر ہارون الرشید کی سیاسی بصیرت ' عالمی شہرت ' شان وشوکت اور سطوت و جلالت سے ابھی کوسوں دور ہیں ۔ دربار ار قسم کے لوگ نجانے انہیں کس کس باجبروت حکمران کے برابر بلکہ بڑا قرار دیتے ہوں گے مگر واقعہ یہ ہے کہ فلک کی برسوں گردش کے بعد اس طرح کے چہرے پردہ تاریخ پر ثبت ہوتے ہیں ' پاکستان ہمارا عزیز ترین ملک ہے مگر اس کا حدود اربعہ بہت مختصر ہے ' چار صوبوں پر مشتمل اور چند لاکھ مربع میل پر محیط ۔ ہارون الرشید جس سلطنت کا وارث تھا اس میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا ' شدید قحط سالی کے موسم میں ہارون الرشید کو بادل کی ایک ٹکڑی دکھائی دی ۔ ذرا سی چھاؤں نے اسے سکون بخشا اور اس ٹکڑہ ابر کے برسنے کی امید ہوئی لیکن تھوڑی دیر بعد وہ ابر پارہ کسی اور جانب تیر گیا ۔ ہارون کو غصہ بھی آیا ' وہ مایوس بھی ہوا اور اسی ملی جلی کیفیت میں اس نے جھنجھلا کر کہا کہ :

تو چاہے جہاں بھی برس ' تیرے پانی سے اگنے والے ہر کھیت کا خراج بہرحال میرے خزانے میں ہی جمع ہو گا ۔

یہ تھا ہارون الرشید کی حدود سلطنت کی وسعت کا عالم ۔ عرب و عجم اور ہند سندھ پر اس کا راج تھا ۔ ایک بار خلیفہ حج کی غرض سے مکہ معظمہ میں مقیم تھا ۔ اس کا وزیر با تدبیر فضل بن ربیع ہمرکاب تھا ' رات گئے ہارون نے کروٹ لی اور بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا ' دل کی بے کلی نے اس کی نیند اچاٹ کر دی ' یک لخت اٹھ کر وزیر کے خیمے کی طرف بڑھا ' فضل بن ربیع کی آنکھ کھلی اور خیر باشد کہتے ہوئے ہارون کی طرف لپکا ' بولا : امیر المومنین اس خانہ زاد کو یاد فرمایا ہوتا ' اس زحمت کشی کی کیا ضرورت تھی ؟ امیر المومنین نے کہا :

" میرا دل مضطرب ہے ' کسی دل والے سے رابطہ کیا جائے ' شاید کھٹک دور ہو ۔ "

فضل بن ربیع نے ایک محدث سفیان بن عیینہ کی نشاندہی کی کہ ان سے مل لیتے ہیں ' تھوڑی دیر میں خلیفہ وقت اور وزیر جناب سفیان کے خیمے پر تھے ' دستک دینے پر سفیان نے پوچھا کون ؟ جواب میں بتایا گیا کہ امیر

المومنین ملنے آئے ہیں' تو سفیان بولے "مجھے یاد کیا ہوتا" ہارون اس جواب پر مایوس ہوا اور بولا ۔ یہ وہ شخص نہیں جو دل کا اضطراب دور کر سکے ۔ یہ تو مجھ سے زیادہ مضطرب اور قرب شاہی کا طالب ہے۔

پھر نگاہ انتخاب عبدالرزاق بن ہمام الصمغانی پر پڑتی ہے ' وہاں پہنچ کر بھی پہلے جیسی صورت حال پیش آئی۔ ہارون الرشید نے کہا' فضل' تمہارے یہ صاحب بھی دل کو تشفی نہ دے سکے ۔ بالاخر حضرت فضیل بن عیاض کے در دولت پر جانے کا فیصلہ ہوا 'جس وقت بجکلاہ ایک مرد خدا آگاہ کے ہاں پہنچا ۔ وہ وقت فقیر کے لئے کسی امیر سے ملنے کا نہیں بلکہ رب قدیر کے حضور حاضری کا تھا' فضیل نے دستک پر پوچھا کون ؟ فضل ربیع نے کہا خلیفہ المسلمین آئے ہیں' حضرت فضیل نے فرمایا: "مجھے ان سے کیا غرض ؟ میں نے ملنے کی کبھی خواہش نہیں کی ' تو انہیں مجھ سے ملنے کا کیا شوق ہے ؟"

وزیر نے ایک حکم شرعی کا سہارا لیتے ہوئے کہا "کیا امیر المومنین کی اطاعت واجب نہیں" آپ نے فرمایا "میں پہلے اللہ ورسول کی اطاعت سے تو فارغ ہو لوں' اولی الامر کی باری بعد میں آئے گی"

بالاخر اصرار پر خیمے کا دروازہ کھلتا ہے ۔ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھے تو ہارون الرشید کے ریشمی لچھے جیسے ہاتھ ایک درویش کے کھردرے ہاتھوں سے چھوئے تو حضرت فضیل نے فرمایا "کیا ہی اچھا ہو کہ اتنے نرم ہاتھ کل قیامت کے دن جہنم کی آگ میں جلنے سے محفوظ رہیں" ہارون الرشید نے کہا "ہم ایک خاص غرض لے کر حاضر ہوئے ہیں"

آپ نے برجستہ فرمایا "آپ اور غرض ؟ آپ کے حاشیہ نشینوں نے تو آپ کو ہر غرض سے بے نیاز کر رکھا ہے لیکن یہی لوگ ہوں گے جو کل حشر میں آپ کا ساتھ چھوڑ دیں گے ۔ آج محبت کے یہ مارے کل آپ سے اتنا ہی دور بھاگیں گے"

یہ جملہ سنتے ہی خلیفہ ہارون الرشید نے ایک آہ بھری اور افسردہ ہو گیا ' حضرت فضیل بن عیاض نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

امیر المومنین جب عمر بن عبد العزیز حکمران بنے تو انہوں نے فورا حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب ' محمد بن کعب القرظی اور جابر بن حیاہ کو طلب کیا اور کہا مجھے اس آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے ' آپ سے رہنمائی اور مشاورت درکار ہے ۔"

آپ نے فرمایا عمر بن عبد العزیز خلافت کو اپنے لئے امانت سمجھتے تھے جب کہ آپ کے ساتھی اسے نعمت سمجھ کر اس پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں۔

شیخ فضیل نے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی بات پر سالم بن عبد اللہ نے کہا تھا یا امیر! اگر آپ قیامت کے روز اللہ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں تو رعایا میں سے جو بڑی عمر کا ہے اسے اپنے باپ کا ہمسر' اوسط عمر والے کو اپنا بھائی اور چھوٹے کو اپنا بیٹا سمجھئے' باپ کی عمر والے سے نیکی کیجئے' بھائی سے کرم کا معاملہ کریں اور بچے پر شفقت کا ہاتھ رکھیں۔

اے امیر المومنین میں بھی آپ سے یہی کہوں گا میں آپ کو اس دن سے خوف دلاؤں گا جب بڑے بڑے مضبوط قدم ڈگمگا جائیں گے ' اللہ آپ پر رحم کرے' کیا آپ کے رفقاء عمر بن عبد العزیز کے ساتھیوں جیسے ہیں ؟ کیا آپ کو یہ لوگ ویسی ہی تلقین کرتے ہیں۔

ہارون یہ جملے سن کر رو پڑتا ہے حتی کہ غش کھا جاتا ہے ' فضل بن ربیع حضرت شیخ سے کہتے ہیں ' امیر سے نرمی برتے ۔

آپ نے فرمایا" ربیع کے بیٹے ' تم جیسے لوگوں نے امیر المومنین کو ذہنی طور پر مفلوج اور قفل کر رکھا ہے ' اب مجھ سے کہتے ہو کہ میں نرمی برتوں ؟"

حضرت فضیل برابر کہے چلے جا رہے ہیں کہ امیر المومنین کسی گورنر نے حضرت عمر بن عبد العزیز سے شکایت کی کہ

کام اتنا زیادہ ہے کہ سونے کا وقت نہیں ملتا۔ آپ نے جواب میں لکھ کر بھیجا' میرے بھائی' دوزخی ہمیشہ دوزخ میں بیدار رہیں گے اور سو نہ سکیں گے۔ آج جو بھی جاگے گا کل جنت میں سکون سے سوئے گا۔ جس نے آج اپنا وقت سونے میں گزارا وہ کل کا ختم نہ ہونے والا دن جاگ کر کاٹیں گے' ہارون الرشید زار و قطار روتا ہے اور کہتا ہے کچھ اور فرمائیے۔

آپ نے فرمایا " اے حسین و جمیل چہرے والے' قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تجھ سے اس مخلوق کے بارے میں پوچھے گا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جس (حکمران) نے صبح اس حالت میں کی کہ اس کے دل میں رعایا کی طرف سے کینہ بھرا ہوا ہے' وہ جنت کی بو بھی نہ پائے گا۔

ہارون کی آنکھیں ابل رہی ہیں اور دل کا غبار دھل رہا ہے۔ کہتا ہے جزاک اللہ' آپ کے ذمے کوئی قرض ہو تو فرمائیے میں وہ اتار دوں۔

آپ نے فرمایا: ہاں میرے ذمے اللہ کا قرض ہے جس کا وہ مجھ سے مطالبہ کرے گا اور یہ قرض تم نہیں صرف میں ہی اتار سکتا ہوں ورنہ میری کوئی حجت میرے کام نہیں آ سکے گی۔ "

ہارون الرشید نے ایک ہزار دینار ہدیہ پیش کرنا چاہا آپ نے فرمایا " میں تمہیں محاسبے کا درس دیتا ہوں' تم مجھے معاوضہ پیش کرتے ہو؟"

جناب وزیر اعظم! آپ کا اقبال بلند ہو' آپ کی تین چوتھائی اکثریت' سلامت رہے' آپ کو ایوان کی بلند مرتبہ قیادت مبارک ہو' ذرا دائیں بائیں دیکھ لیں' آپ کے وزراء میں کوئی فضل بن ربیع ہے جو کسی فضیل بن عیاض کا دروازہ دکھا سکے؟ اور کوئی فضیل بن عیاض ہے جو آپ کے سامنے آئینہ لا سکے؟ عوام کا قرض اور خدا کا فرض دونوں آپ کے ذمہ ہیں اور قرض اور فرض میں صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔

تبدیل پروگرام حلقہ ذکر گجرات

۱۔ ماہانہ ذکر۔ ہر ماہ تیسرا اتوار
بمقام سادات مسجد برف خانہ کے سامنے نزد عثمان پلازہ کچہری روڈ گجرات

۲۔ ہفتہ وار ذکر۔ بعد از نماز جمعہ
بمقام کارنر شاپ ایم بلاک کھاریاں کینٹ

دعائے مغفرت

سلسلہ عالیہ کے ساتھی حاجی ملک محمد عنایت (میر پور آزاد کشمیر) کے نوجوان فرزند اور محمد حسن شریف' محمد رفیق (نوبہ) کی والدہ محترمہ اور نثار احمد (کراچی) کے والد محترم اور صوبیدار لعل حسین (راولپنڈی) کے والد محترم وفات پا گئے ہیں ان سب کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

ضرورت رشتہ

ہمیں اپنے بیٹے ڈاکٹر (M.T) کے لئے خوبصورت' خوب سیرت اور معزز گھرانے سے تعلق رکھنے والی لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ میڈیکل شعبہ سے تعلق رکھنے والی لڑکی کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: محمد یوسف رحمانی۔ عوامی کلاتھ ڈپو کیلا سکے تحصیل وزیر آباد۔ ضلع گوجرانوالہ فون: 49481

ضرورت رشتہ

ارائیں فیملی کی دو لڑکیوں صوم وصلوٰۃ کی پابند اور باپردہ' تعلیم بی اے کے لئے نیک سیرت برسر روزگار تعلیم یافتہ دینی گھرانوں سے رشتے مطلوب ہیں۔

رابطہ: معرفت ذوالفقار صاحب
پوسٹ بکس نمبر 233
جی پی او فیصل آباد

سوال: علم غیب کیا ہوتا ہے اور کس کو ہوتا ہے اہل قبور سے کس طرح رابطہ ہو سکتا ہے؟

جواب: علم غیب کی تعریف یہ ہے کہ جس کے جاننے میں درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو، نہ نظر، نہ عقل، نہ خبر کوئی ذریعہ واسطہ درمیان میں نہ ہو بغیر کسی واسطے کے جانا جائے وہ علم، علم غیب ہوتا ہے اور وہ خاصہ خداوندی ہے بغیر کسی ذریعے بغیر کسی واسطے بغیر کسی سبب کے ہر چیز کو ہر وقت، ہر آن جانتا ہے وہ عالم الغیب ہے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو غیب کا علم ہوتا ہے وہ غیب نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے بتانے سے پتہ چلتا ہے اور وہ علم غیب نہیں ہوتا وہ ہوتا ہے قرآن حکیم کی اصطلاح میں اطلاع عن الغیب۔ یعنی غیب پر مطلع فرما دینا۔ "ماکان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء" ہر ایک کو زیب نہیں دیتا کہ اللہ اسے غیب پر اطلاع کرے۔ وہ جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے رسول اس کے فرشتے بھی ہیں انبیاء کو بھی رسول کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو اطلاع عن الغیب جو نصیب ہوتی ہے باتباع نبوت کمالات نبوت۔ اتباع نبوت سے ان کا پر تو ولی میں آتا ہے۔ اس کی اپنی استعداد اور اس کی حیثیت کے مطابق۔ ایک چیز کو جس نظر سے نبی دیکھ رہا ہوتا ہے اور اگر کوئی ولی کامل ترین بھی ہو اور وہ صفت اسمیں منعکس ہو بھی تو اس پائے کی اس کی نگاہ نہیں ہو سکتی کہ وہ آگے پھر منعکس ہونیوالی چیز کو جسے آئینے سے منعکس ہو کر کوئی دوسرا دیکھ رہا ہوتا ہے تو جس طرح حقیقی، صحیح، درست اور مفصل علم نبی کا ہوتا ہے اس طرح قابل اعتبار ولی کا نہیں ہوتا اگر ولی کی بات نبی کی بات کے مطابق ہے تو اس نے صحیح سمجھا کہیں ٹکراتی ہے تو نبی کی بات درست ہے اور ولی کو سمجھنے میں غلطی لگی یہ علوم غیب نہیں یہ اطلاع عن الغیب ہے۔ قبر میں بات ایسے ہوتی ہے جیسے نبی کریمؐ نے فرمایا نام لے کر اہل مکہ کا کہا بدر پر کہ اب تمہیں خبر ہو گئی کہ اللہ کا وعدہ سچا تھا ہم نے تو دیکھ لیا جو اس نے وعدہ کیا تھا حق تھا اور اب تمہیں تسلی ہو گئی تو سیدنا فاروق اعظمؓ نے عرض کیا یا رسولؐ یہ تو قبر میں پڑے ہیں فرمایا ہاں معروف طریقے سے جواب نہیں دے سکے یعنی معروف طریقے سے جس طرح ظاہراً میں بات کر رہا ہوں کہ عام آدمی ہر کوئی سنے اس طرح یہ جواب نہیں دے سکتے ویسے وہ بھی سن رہے ہیں اصطلاح شریعت میں جہاں کسی کے اجزاء بدن ہوں وہی اسکی قبر ہوتی ہے اور اجزاء بدن اگر منتشر ہو جائیں تو ایک چھوٹی سی ہڈی ریڑھ کے مہروں میں ہوتی ہے مکھی کے سر کے برابر "عجب الذنب" اسے کہتے ہیں وہ جہاں ہو سارے اجزاء کا مرکز وہ ہوتی ہے۔ اور وہی جگہ اس فرد کی قبر کہلاتی ہے۔ خواہ وہ قبرستان

میں دفن ہو۔ زمین میں دفن ہو کسی جانور کے پیٹ میں ہو۔ کسی پرندے کی پوٹ میں ہو آگ میں جل گیا ہو کہیں کسی جگہ بھی ہو اجزاء بدن جتنے منتشر ہو جائیں ان کا رابطہ اس ہڈی کے ساتھ رہتا ہے اور وہی پھر بیج کی طرح پھوٹے گی سارے اجزاء اسی کے گرد جمع ہو کر پھر وجود بنے گا۔ تو جس طرح ہر جز کا اپنی اس اساس کے ساتھ رابطہ رہتا ہے اسی طرح ہر جزو بدن کا رابطہ روح کے ساتھ بھی رہتا ہے۔

سوال: سنا ہے کہ انگریزوں کے بعض پادری یا اس کس قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم ارواح کو حاضر کر کے بات کر لیتے ہیں۔

جواب: یہ سنا ہے کوئی دلیل نہیں ہوتی یہ عموماً عورتوں کے ہاں چلتی ہے کہ میں نے سنا ہے فلاں یہ کہہ رہی تھی یہ کوئی علمی دلیل نہیں ہوتی کہ سنا ہے۔ آپ سنا نہ کریں آپ پڑھا کریں تاکہ آپ کے پاس باقاعدہ مستندبات ہو انگریزوں کے پادری یہ بھی آپ نے غلط کہا ہے یہ دنیا میں پہلے بھی رہا ہے اب بھی ہے' ہندوں میں بھی ہے جسے وہ آواگون کا اور رواح کا دوبارہ آنا اور یہ وہ آتما اور پریت آتما" کا چکر جسے کہتے ہیں اور یورپ میں پادری نہیں ایک بندہ جو میڈیم کہلاتا ہے جسے ہم " وچولہ کہتے ہیں یا دلال" کہتے ہیں درمیان میں آنے والا اسے انگریزی میں میڈیم کہتے ہیں درمیان میں جو رابطے کا کام کرتا ہے وہ اپنے مخصوص اعمال سے یا مخصوص طریقوں سے یا جس دم سے اس طرح کے چلے کاٹ کاٹ کر یا کوئی بنا بنا کر تجویزیں تو ایک تماشا دکھاتے ہیں کہ ارواح سے بات ہو رہی ہے اور اس پر حضرتؒ نے جو ارشاد فرمایا تھا وہ المرشد میں شائع ہوا تھا **القبلہ روضتہ من ریاض الجنتہ** یا تو وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے " **حضرۃ من حضر النار**" یا دوزخ کے گھڑوں میں سے ایک گھڑا ہے کما قال رسول اللہؐ تو اگر کوئی بندہ دوزخی ہے تو اسے اگر چند منٹ کے لئے بھی وہاں سے کسی کے ساتھ بات کرنے کے لئے عالم دنیا میں بھیج دیا جائے تو اس کے لیے تو وہ غنیمت ہے اب دنیا میں ایسا کون ہے کہ اللہ کے عذاب کی گرفت سے چھڑا کر اسے بلالے ہم تو دنیا کی حوالات سے کسی کو نہیں نکلوا سکتے۔ چوکی' تھانے میں محبوس کردیں پولیس والے وہاں سے نہیں چھڑوایا جا سکتا تو عذاب قبر والے فرشتوں سے کون چھڑوا کر لائے گا۔ اور اگر وہ دوزخی نہیں جنتی ہیں دوسرے حال میں ہیں تو اہل جنت کو اگر لوگ کان سے پکڑ کر دنیا میں کھینچنے لگیں تو جنت جنت تو نہیں رہی یہ دونوں طرح ناممکن ہے۔ ہوتا یہ ہے ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے۔ شیطان کی اپنی خاص اولاد الگ ہے۔ اس کے پروکار جن شیطان الگ ہیں۔ اس کے پروکار انسان شیطان الگ ہیں۔ **شیاطین والجن ولانس** قرآن نے کہا ہے انسانوں میں بھی ہیں جنوں میں بھی ہیں اس سب کے علاوہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے۔ جسے عامل اپنی اصطلاح میں ہمزاد کہتے ہیں ساتھ پیدا ہونے والا شیاطین کی چوں کہ عمر طویل ہوتی ہے بندہ مر بھی جائے تو وہ جو شیطان اس کے ساتھ پیدا ہوا وہ کسی دوسرے کے ساتھ نہیں جاتا۔ جہاں اس کی عمر سینکڑوں ہزاروں سال ہوتی ہے۔ تو یہ عامل حضرات جو عملیات کرتے ہیں ان کا تعلق اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ چونکہ اصل میں شیطان ہوتا ہے شیطانی اعمال کے ساتھ رابطہ کرتا ہے ان کا تعلق اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ چوں کہ اصل میں شیطان ہوتا ہے شیطانی اعمال کے ساتھ رابطہ کرتا ہے دنیا پہ گمراہی پھیلانے کا سبب بن جاتا ہے اور یہ جو رابطہ کرتے ہیں اس کے ساتھ کرتے ہیں صوفیاء ایسا نہیں کرتے ہم قبر والوں کے ساتھ بات کرتے ہیں یہ بھی آپ نے غلط لکھا۔ کوئی صوفی یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ آؤ میں تمہیں قبر والوں کے ساتھ بات کرا دوں نہ اس کے لئے کیا جاتا ہے البتہ اللہ اللہ کرنے سے جب مراقبات نصیب ہوتے

ہیں۔ تو یہ قوت آجاتی ہے روح میں کہ وہ برزخ میں پہنچ سکے اور برزخ بات کر سکے۔ لیکن وہ مقصد نہیں ہوتا۔ صوفیاء اس کے لئے محنت نہیں کرتے اگر اس بات کے لئے کوئی محنت کرے تو وہ صوفی نہیں ہے اور نہ اسے تصوف کی برکات نصیب ہوتی ہے اگر ہوں بھی اور اس کا مقصد محض قبر والوں سے بات کرنا رہ جائے تو مقامات ختم ہو جاتے ہیں۔ سلب ہو جاتے ہیں یہ ایک انسانی خصوصیت ہے کہ جنہیں وہ برکات نبویؐ نصیب ہوتی ہیں دل میں جب وہ روشنی آتی ہے۔ تو وہ حال جو غیر صوفی کو مر کر نصیب ہوتا ہے اور وہ کافر کو بھی نصیب ہو جاتا ہے عندالموت۔ برزخ کو دیکھتا ہے۔ دوزخ کو دیکھتا ہے جنت کو دیکھتا ہے فرشتوں کو دیکھتا ہے۔ فرشتوں سے باتیں کرتا ہے عندالموت اور قرآن حکیم نے اس ساری بات کو بیان فرمایا ہے فرشتے اسے کہتے ہیں **و فی ما کنتم** کہاں جھک مارتا رہا اور پھر سزا دیتے ہیں ابھی وہ زندہ ہوتا ہے۔ مارتے ہیں **یضربون فی وجوھھم وعلی ادبار** ھم منہ پر مارتے ہیں پیٹھ پر مارتے ہیں یہ سارا کام روح قبض ہونے سے پہلے ہو رہا ہوتا ہے اور کافر کو بھی ادراک ہوتا ہے کہ مجھے مار پڑ رہی ہے یا فرشتہ یہ سوال کر رہا ہے یا میرے ساتھ یہ بات ہو رہی ہے یا یہ فرشتہ ہے یا ڈراؤنا ہے یہ دوزخ کا ہے۔ اس طرف جنت ہے وہ سارا کچھ اسے نظر آتا ہے تو جو حال عندالموت کافر کو بھی نصیب ہو جاتا ہے مومن کو اس سے اعلیٰ نصیب ہوتا ہے جنت کے فرشتے ہوتے ہیں۔ خوشبوئیں ہوتی ہیں۔ اس سے باتیں کرتے ہیں بھائی گھبرائیں نہیں اسے حوصلہ دیتے ہیں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ ہم زندگی بھر تمہارے ساتھ رہے اب بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ تمہیں اللہ کی بارگاہ میں جانا ہے۔ تمہارے لیے دیکھو کیا کیا خوبصورت چیزیں لائے ہیں اس طرح کا تذکرہ سارا قرآن حکیم نے بیان فرمایا ہے۔ یہ حال جو دوسروں کو عندالموت نصیب ہوتا ہے۔ صوفی کو پہلے نصیب ہو جاتا ہے۔ صوفی پر وہ کیفیت وارد ہوتی ہے جو قرآن کہتا ہے " **موتو قبل ان تموتوا**" موت سے پہلے موت کی سی کیفیت حاصل کر لو موت میں یکسوئی ہو جاتی ہے اور ہر طرف سے کٹ کر بندہ متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس حادثے کی طرف کسی کو بیوی کسی کو بچے بلا رہے ہوتے ہیں لیکن کہتے ہیں اسکی ٹکٹکی لگ گئی ہے ٹکٹکی کچھ نہیں ہوتی متوجہ ہوجاتا ہے اس طرف اور وہ حادثہ اتنا شدید ہوتا ہے کہ کسی دوسری طرف اسکی توجہ بٹتی نہیں۔ صوفی اپنے آپ کو متوجہ الی اللہ زندگی میں کر لیتا ہے۔ اتنا جتنا کسی کو موت کا حادثہ آکر متوجہ کرتا ہے۔ صوفی کو زندگی میں چونکہ اس سے زیادہ قوی حال وارد کر لیتا ہے متوجہ الی اللہ ہونے کا اسے زندگی میں نصیب ہو جاتی ہیں۔

سوال : ماں کے پیٹ میں کیا ہے؟ یہ تمہیں نہیں بتایا گیا انگریز کہتے ہیں ماں کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ ہم بتا سکتے ہیں اس دلدل سے کیسے نکلیں گے۔

جواب : سادگی بھی بڑی عجیب شے ہے مسلمان بیچارے سادگی میں ہی مارے گئے۔ اللہ جانتا ہے ایک کیڑی سے لیکر بڑے سے بڑے جانور تک۔ انسان چرند' پرند کہ کونسی مادہ کیا جنے گی؟ کتنی اس کی عمر ہو گئی؟ کیا اس کی شکل ہو گی؟ کیا عقل ہو گی؟ کیا شعور ہو گا؟ کتنے بخت ہوں گے۔ سعید ہو گا یا بدبخت ہوگا۔ حاکم بنے گا یا مظلوم و محکوم ہو گا۔ قید میں اس کی عمر بسر ہو گی یا وہ سیشن جج بنے گا یہ ساری باتیں اللہ جانتا ہے۔ اب چھ سو کروڑ انسانی آبادی میں سے ایکسرے کے ذریعے' مشین کے ذریعے اندازہ لگایا جاتا ہے اس میں سے ہزار میں سے دو سو درست بھی ہو جاتے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑا اس میں۔ پھر اللہ بغیر کسی سبب کے جانتا ہے۔ انگریز نے کوئی تیر نہیں مارا کہ اس نے ایکسرے یا لیزرز ایجاد کر کے اندازہ لگا لیا کہ پیٹ میں بچہ ہے یا بچی آپ اگر طب پڑھے ہوتے۔ اطباء کا حال جانتے ہوتے تو آپ کو خبر ہوتی کہ ہمارے طبیب عورت کو چلتا دیکھ کر بتا دیتے تھے

کہ یہ بیٹا دیگی یا بیٹی دیگی پاؤں کا نقش لگا ہوا زمین پر دیکھ کر طبیب بتا دیتے تھے کہ یہ عورت حاملہ ہے یا نہیں اور اگر حاملہ ہے تو بچہ جنے گی یا بچی جنے گی اور ایسے ماہرین پائے گئے طب کے معاملے میں کہ امراء اور نوابین کے ہاں ہوتے تھے میں نے کئی اطباء کا حال پڑھا کہ خواتین کے اس بازو کے ساتھ وہ دھاگہ باندھ دیتے تھے اور پردے سے باہر دھاگہ پکڑ کر وہ اس کے بدن کی نبض کی حرکات معلوم کر لیتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی نباض کو دیکھا ہو تو یوں پتہ چلتا تھا کہ اس کی زندگی کی تہیں کھولتا چلا جارہا ہے اور پشتوں کے امراض بتا دیا کرتے تھے۔ بھیرہ میں ایک نباض ہوتے تھے ہمارے علاقے کا ایک مریض ان کے پاس گیا اور انہوں نے لا علاج قرار دے دیا اور انہوں نے تاکید کی کہ اسے واپس لے جاؤ تاکہ تم اسے زندہ گھر لے جا سکو۔ تب زمانہ تھا کہ چارپائی پر اٹھا کر مریضوں کو بھی پیدل لے جایا جاتا تھا۔ گاڑیاں واڑیاں نہیں ہوتی تھیں تو وہ جب واپس چلے تو راستے میں کماد کے کھیت تھے تو اس مریض نے کہا بھئی پرہیز کرتے دو سال چار سال بیت گئے اور جی چاہتا ہے کہ مجھے آپ گنے کا رس پلائیں تو آپ ایسا کریں کہ مجھے گنے کا رس پلوائیں۔ پرہیز کو چھوڑیں میرا جی چاہتا ہے کوئی چیز تو ایسی کھانے کو دیں تو انہوں نے اس کماد میں سے چار پانچ گنے کاٹ لئے اور اسے گنڈیریاں بنا بنا کر چبانے لگے وہاں کوئی رس نکالنے والا تو تھا نہیں اور کماد بھی وہ تھا گڑ بنانے والا لیکن انہوں نے چھیل چھال کر باریک سے پھانکیں بنا کر مریض کو دیتے رہے اور وہ چوستا رہا۔ وہ جوں جوں گنڈیریاں چوستا گیا اس کی طبیعت بحال ہونا شروع ہو گئی اور انہوں نے دیکھا کہ یہ تو بہتر ہو رہا ہے تو وہ چار پانچ گنے اسے انہوں نے کھلا دئے اور بندہ نوے فی صد ٹھیک ہو گیا۔ (weak ness) رہ گئی مرض ختم ہو گیا تو بجائے ادھر آنے کے مریض اٹھا کر واپس چل دئے انہوں نے کہا حکیم صاحب نے ہمارے ساتھ کیا مذاق کیا ہے اتنا بڑا طبیب اور اس کا علاج گنے کا رس تھا اور ہمیں انہوں نے جواب دے دیا اس سے بات تو کریں۔ حکیم صاحب کو جب انہوں نے ساری بات بتائی تو وہ ساتھ چل پڑے انہوں نے کہا چلو میرے ساتھ اور مجھے وہ جگہ دکھائیں جہاں سے تم نے گنے کاٹے ہیں جب انہوں نے دکھایا جی یہ بوٹا ہے ابھی ہم نے کاٹا ہے دو چار گھنٹے گزرے ہیں۔ انہوں نے کہا اس بوٹے کی جڑیں کھودو نکالا تو نیچے ایک سانپ کا ڈھانچہ تھا اس نے کہا اس کا علاج یہ تھا کہ فلاں نسل کا سانپ ہو اسے دفن کیا جائے اس پر کماد بویا جائے اور وہ کماد جب رس دے گنے بنیں تو وہ رس اسے پلایا جائے یہ اس مرض کا علاج تھا یہ میں جانتا تھا لیکن یہ ممکن نہیں تھا اس کے پاس اتنی فرصت نہیں اب اگر قدرت نے اسے دے دیا تو اس میں تمہارے ناراض ہونے کی تو کوئی بات نہیں کہ مجھ پر بگڑتے ہو اللہ کا شکر ادا کرو۔ تو اس حد تک تو ان کے پاس علم طب ہوتا تھا لیکن انگریز کا لیزر ظنی ہے۔ امریکن کا ایکسرے ظنی ہے۔ طبیب کی نبض ظنی ہے۔ یہ علم قطعی نہیں ہے ایک بات اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری بات درست بھی ہر ایک کا نہیں ساری کائنات کا نہیں جانتے۔ اللہ ساری کائنات کی ہر شے کو جانتا ہے اور بغیر کسی سبب کے جانتا ہے۔ یہ سبب سے جانتے ہیں ظنی طور پر جانتے ہیں اور بعض کا جانتے ہیں تو اس سے قرآن منع نہیں کیا۔

سوال: تصوف کیا ہے؟

جواب: تصوف کچھ بھی نہیں ہے۔ جب کچھ بھی باقی نہ رہے صرف اللہ رہ جائے تو تصوف بن جاتا ہے جب تک کچھ باقی رہے تصوف نہیں ہوتا میں پیر ہوں' میں مولوی ہوں میں بزرگ ہوں' میں تگڑا ہوں' میں فلاں ہوں۔ جب تک میں رہے تب تک تصوف نہیں ہوتا اور جب انا نہ رہے کچھ بھی نہ رہے پھر تصوف ہوتا ہے۔

سوال: پیر خانوں میں معتقدین کو صوفیاء کے اس قسم

ے مسئلوں نے جکڑ رکھا ہے گفتہ او گفتہ اللہ بود۔ گرچہ

از حلقوم عبد اللہ

جواب: یہ پیر خانوں نے نہیں کہا یہ تو مولانا رومی فرما گئے ہیں۔ پتہ نہیں انہوں نے ایسا کیوں کہا۔ اگرچہ وہ پیر نہیں تھے۔ یہ نشاندہی کی گئی ہے کہ صوفی کیسا ہونا چاہئے۔ اب یہ بات سمجھنے کی ہے کہنا والے کا مقصد یہ ہے کہ صوفی مرضیات باری کے باہر منہ نہیں کھولتا وہی کہتا ہے جس کے کہنے کی اللہ نے اجازت دی ہے۔ یعنی شریعت کا کامل متبع ہوتا ہے اور سمجھنے والا یہ سمجھ لے کہ جو صوفی کہتا ہے اللہ مجبور ہو جاتا ہے وہی کرنے پر یہ تو سمجھ کا ہیر پھیر ہے۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود سے مراد یہ ہے کہ صوفی وہ کہتا ہے کہ جس کے کہنے کی اللہ نے اجازت دی ہے۔ یہ پہچان ہوتی ہے صوفی کی کہ اس کے اپنے ذاتی مفادات دنیا داری' لالچ یہ وہ چیزیں نہیں ہوتی خالص اللہ کے لئے کام کرتا ہے اور وہ وہی کچھ کرتا ہے وہی کچھ کہتا ہے جس کے کہنے کا حکم اللہ نے دے رکھا ہے۔ بات اگرچہ بندے کے حلق سے نکلتی ہے لیکن سمجھ لیا کہ صوفی کہتا ہے اللہ وہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ عقیدہ تو اسلام سے خارج کر دیتا ہے ہمیں اللہ کسی کے سامنے مجبور نہیں ہے بلکہ سب سے اعلیٰ بندہ وہ ہے جو اللہ کے سامنے خود کو بے بس کر لے۔

اولیاء راہست قدرت ازالہا۔ تیرجستہ باز گردا نندز راہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب کیا تھا۔ مخلوق جہنم میں جا رہی تھی۔ **کنتم علی شفا حضرۃ من النار فانقذ کم منھا** اچک لیا رسول اللہ ﷺ نے ولی کا کمال بھی یہ ہوتا ہے کہ گمراہی کی طرف دوڑتے ہوئے لوگوں کو واپس ہدایت کی طرف روانہ کرنا جس طرح کمان سے نکلا ہوا تیر نہیں لوٹتا اسی طرح لوگ جب گمراہی کی طرف دوڑتے ہیں تو ازخود نہیں پلٹتے کوئی سبب چاہئے نری رکاوٹ ہو تو ہو ٹوٹ جائیں گے کوئی ایسی قوت چاہئے کہ ان کی رفتار نہ توڑے ان کا رخ موڑ دے۔ اسے صوفیاء نے "عمالہ" فرمایا ہے کہ صوفی ازالہ نہیں فرماتے۔ کسی وصف کو ضائع نہیں کرتے ازالہ ہوتا ہے ختم کر دینا۔ ضائع نہیں عمالہ کرتے ہیں یعنی اس کا رخ پھیر دیتے ہیں۔ لوٹا دیتے ہیں اور یہ ہوتا ہے باتباع محمد رسول اللہ ﷺ کمالات نبوی میں سے جو حصہ کسی صوفی کو نصیب ہوتا ہے۔ تصوف ہے اتباع رسالت میں اتنا فنا ہو جانا کہ پر تو جمال نبویؐ اس کے دل میں منعکس ہونے لگے۔ اس کے حالات سے' اس کی گفتار سے' اس کے کردار سے' اس کا اظہار ہونے لگے۔ تو اسمیں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو بندے دوڑ رہے ہوتے ہیں گمراہی کی طرف انہیں ایسا پلٹاتا ہے کہ اس سے زیادہ رفتار کے ساتھ ہدایت کر طرف دوڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔

سوال: رفع یدین کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ آیا یہ ضروری ہے؟

جواب: ضروری نہ ہوتا تو کوئی بھی نہ کرتا۔ رفع یدین سارے نمازی کرتے ہیں کوئی بندہ بھی جب نماز شروع کرتا ہے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر کانوں کو لگاتا ہے۔ اسی کو رفع یدین کہتے ہیں ہاتھوں کے اٹھانے کو اب اگر آئمہ میں ترجیح کا اختلاف ہے وہ ہر تکبیر پر ہے۔ جو ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے ہیں ان کے نزدیک زیادہ ثواب اس میں ہے کہ جب بھی آپ اللہ اکبر کر کے رکوع میں جاتے ہیں یا سجدے میں جاتے ہیں تو رفع یدین بھی کریں ان کے نزدیک' ان کی رائے میں اس میں زیادہ ثواب ہے اور ہم حنفیوں کے نزدیک نماز کی نیت کرتے وقت رفع یدین کرنا ہی کافی ہے اور احناف کے دلائل یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ

عمل بھی کیا۔ آپ سے ثابت ہے اور یہ بھی کیا لیکن جو عمل آخر تھا حضورؐ کا وہ یہ ہے کہ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ مبارک اٹھایا کرتے تھے فقہ میں اس کی دلیلیں بھی ہیں۔ میں نے آپ کو جو ان کا حاصل ہے عرض کر دیا۔ اس میں رفع یدین کا منکر کوئی بھی نہیں ہے چاروں آئمہ میں سے فرق صرف یہ ہے کہ احناف صرف نماز کر نیت کرتے وقت رفع یدین کرتے ہیں۔ عیدین کی چھ تکبیروں میں رفع یدین کرتے ہیں اور باقی اوقات میں نہیں کرتے۔ باقی تکبیرات پر دوسرے آئمہ کے نزدیک ترجیح اس میں ہے جس کو جو اچھا لگے اپنا لے کوئی حرج نہیں اسمیں۔

سوال: فاتحہ خلف امام پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: ہاں دوسرے آئمہ کے نزدیک ضروری ہے اور احناف کی طرف سے امام جو ہوتا ہے وہ نمائندہ ہوتا ہے اپنے مقتدیوں کا اور کسی کے پیچھے آپ ویسے کھڑے ہو جائیں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہے اس کی نیت نہیں ہے کہ میں امامت کروں گا۔ بیشک مسجد کا امام ہی ہو اکیلا نیت کر کے کھڑا ہو گیا۔ پیچھے دس نمازی آگئے پیچھے کھڑے ہو جائیں ان کی نماز نہیں ہو گی چونکہ وہ نیت ان کی طرف سے کر کے کھڑا نہیں ہوا۔ امام امامت کی نیت کرے گا خود کو نمائندہ سمجھ کر کھڑا ہو گا تو جو پیچھے ملتے جائیں گے جو ان کی نمائندگی وہ کرتا جائے گا۔ تو احناف کے نزدیک پیچھے کھڑے ہونے والوں کا نمائندہ وہی امام ہے اور قرآن جب پڑھا جا رہا ہوتا ہے تو پھر سننا فرض ہو جاتا ہے اور خاموشی سے سننا پڑتا ہے جو فاتحہ خلف امام پڑھتے ہیں ان کو بھی یہ تکلف کرنا پڑتا ہے کہ امام فاتحہ پڑھ کر ختم کرے خاموش ہو کر کھڑا ہو اتنی دیر اپچھلے فاتحہ پڑھیں اس کے ساتھ نہیں پڑھتے چونکہ جب امام پڑھ رہا ہوتا ہے تو ان کے لئے سننا واجب ہو جاتا ہے تو بہر حال یہ ایک مسلک ہے ان کے پاس اپنے دلائل ہیں ہم چونکہ حنفی ہیں ہم اپنے دلائل پہ عمل کرتے ہیں۔ اس میں بھی سوال وہی ترجیح کا ہے۔ اس میں کسی انکار کی بات نہیں ہے آئمہ کا اختلاف جتنا بھی ہے آئمہ اربعہ کا وہ کسی انکار پر نہیں ہے۔ فروعات میں ترجیح پر ہے۔ ایک کہتا ہے اس انداز سے زیادہ ثواب ہے دوسرے کے نزدیک اس طرح درست ضرور ہے لیکن ثواب اس طرح زیادہ ہے۔

سوال: غلام اور لونڈی کی تشریح فرمائیں کہ یہ کب شروع ہوا اور اس کی اب حیثیت کیا ہے؟

جواب: یہ اتنا لمبا سوال ہے کہ میں بارہا اس پر لکھ بھی چکا ہوں جواب بھی دے چکا ہوں بات پھر وہیں پلٹ آتی ہے آپ لوگ کچھ پڑھا بھی کریں۔ کم از کم سلسلے کی کتابیں ضرور دیکھ لیا کریں۔ اپنے جنگوں کی تاریخ اگر پڑھی ہو تو پھر آپ کو سمجھ آئے گی کہ فاتحین اقوام مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ کس طرح قتل عام ہوتا ہے۔ کس طرح لوٹا جاتا ہے۔ کس طرح لوگوں کو رسوا کیا جاتا ہے اور کس طرح اجتماعی بدکاری کی جاتی ہے اور کس طرح عزت کر دھجیاں بکھیری جاتی ہیں اور آج کل جو ہو رہا ہے اور مہذب اقوام کر رہی ہیں۔ آپ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کے حالات سنتے ہوں گے۔ ٹیلی ویژن پر یا ٹیلی ویژن سے الرجک ہیں تو اخبار میں پڑھ لیتے ہوں گے۔ ورنہ لوگوں کی زبانوں سے تو سنتے ہی ہوں گے کہ کیا حشر کیا جا رہا ہے۔ یہ واحد مذہب ہے اسلام جس نے مخالف کی جان کی ضمانت دی صرف اس کی آزادی سلب فرمائی۔ وہ بندہ جو میدان جنگ میں لڑتا ہوا قید ہو جائے مفتوح

ہو جائے۔ اسے قتل نہ کیا جائے گرفتار کرنے کے بعد اس کی صرف آزادی چھین لی جائے۔ غلام بنانے کے بعد اسے وہی کھانا دیں گے جو آپ کھاتے ہیں۔ وہ کام اس سے نہیں کروائیں گے جو وہ نہیں کر سکتا۔ اسے مذہبی آزادی ہو گی۔ جس طرح وہ پوجا پاٹ کرنا چاہئے آپ نہیں روک سکتے۔ اس کی شخصی آزادی سلب کرنے کے بعد پھر اسے آزاد کرنے کی طرف رغبت دلائی اور فاتحین اسلام نے جتنے غلام بنائے تھا ان میں سے آخری غلام بھی سیدنا فاروق اعظمؓ کے زمانے میں رہا کر دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں کوئی جنگی غلام کسی کے پاس نہیں تھا۔ وہ آخری غلام بھی جو رہا ہوا اس میں اسلام نے بہت سی ترجیحات رکھیں کہ غلطی ہو جائے کفارے میں غلام آزاد کرو۔ پھر خیرات کے طور پر غلام آزاد کرو پھر اگر ایسا بھی نہیں کرتے تو اسے مکاتب کر دو۔ یعنی اس کے ساتھ طے کر لو کہ تم مجھے دس ہزار روپیہ دو گے اور اسے آزاد کر دو۔ وہ مزدوری کرے' ملازمت کرے پیسہ کما کے لائے اور آپ کو ادا کر کے شرط سے آزاد ہو جائے تو جو آخری غلام آزاد ہوا وہ ایک خاتون کے پاس تھا اور اس نے اسے مکاتب کر دیا تو اس غلام کو کہیں سے پیسے مل گئے وہ اس خاتون کے پاس حاضر ہوا کہ میرے پاس یہ پیسے آ گئے ہیں آپ اپنے سارے پیسے یک مشت لے لیں اور مجھے آزاد کر دیں اس نے کہا میں تو نہیں لوں گی اس لئے کہ مجھے تو تو نے جو قسط مقرر کی تھی سہ ماہی دوں گا یا ششماہی دوں گا مجھے وہ چاہئے اتنا عرصہ وہ میرے اخراجات اس سے چلیں گے تم اکٹھے دو گے میرے اکٹھے خرچ ہو جائیں گے مجھے نہیں چاہئے میں اس طرح نہیں کروں گا حضرت عمرؓ نے رقم بیت المال میں جمع کی اور خاتون ہر مہینے وہاں سے لے لیتی اور غلام کو آزاد کر دیا۔

سوال: کیا اپنے قریبی رشتہ داروں کی مدد کے لئے رہائشی مکان بیچا جاسکتا ہے؟۔

جواب: ایک مکان بھی سوا یا ڈیڑھ لاکھ کا فروخت کر کے بچیوں کی شادی کریں تو باقی سب بے گھر ہو جائیں گئے بچوں کی شادی میں انکی مدد کی جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے اس میں صلہ رحمی بھی ہے اور صدقہ بھی۔ رہائشی مکان اگر سب کا ہے تو ان میں سے بچیوں کا بڑا تھوڑا حصہ آئے گا اور اگر وہ بیچا جائے تو سب کو بے گھر کر کے ان کی مدد ان کی شادی کرنا اچھی بات نہیں زکوٰۃ اصول پر نہیں لگتی فرع پر نہیں لگتی اصول ہوتے ہیں ماں' باپ' نانا' نانی' دادا' دادی' یہ جڑیں اصول ہوتے ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں لگتی بیٹی' بیٹا' پوتا' پوتی' نواسی نواسے فروعات میں جو بندے کی ان پر زکوٰۃ نہیں لگتی ان کا ویسے ہمارے مال میں حق ہوتا ہے والدین کا بھی اولاد کا بھی اصل مال میں لیکن بھتیجے بھتیجیاں یا بھانجے بھانجیاں ان پر زکوٰۃ لگتی ہے اگر وہ زکوٰۃ کے مستحق ہوں ان پر خرچ کی جاسکتی ہے۔

سوال: درود و سلام الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ تسبیحات کی شکل میں پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: درست ہے کوئی حرج نہیں ہے اگر بندے کو یہ ایمان ہو کہ اللہ میری بات پہنچا رہا ہے اللہ کے فرشتے میرا سلام بارگاہ نبویؐ میں پہنچا رہے ہیں کوئی حرج نہیں۔ لیکن سب سے اچھے درود وہ ہیں جو صحابہؓ نے حضورؐ سے پوچھے کیسے درود پڑھیں حضورؐ نے فرمایا ایسے پڑھو سب سے بہتر وہ ہے آپ کو تجربہ ہوگا یوں تو سارا قرآن حکیم ہمارے پاس ہے اور ہم تلاوت بھی کرتے ہیں

اللہ کا احسان ہے لیکن کوئی بزرگ بتا دیتا ہے کہ یہ آیت سو بار پڑھو دس بار پڑھو اس پر یہ فائدہ ہوگا یا یہ مرض چھوڑ جائے گا تو وہ آیت اس طرح پڑھنے سے وہ فائدہ ہو جاتا ہے جبکہ ہم سارا قرآن مجید پڑھتے رہتے ہیں پھر وہ فائدہ کیوں نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب ہے ہر بندے کو ایک نسبت ہوتی ہے اللہ سے اس کے منہ سے نکلی ہوئی بات سے وہ اثر پیدا ہوتا ہے اگر ولی اللہ کی بات سے اتنا اثر ہو جاتا ہے تو جو الفاظ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمائے کہ اس طرح پڑھو ان کا ثانی کون ہے بھائی۔ تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان درودوں کو چھوڑ کر ہم اپنا بنایا ہوا درود پڑھیں تو اس میں اتنا فائدہ ہوگا جتنا انہیں ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ حدیث شریف میں اور سیرت میں بہت سے درود ہیں درود ابراہیمی اور بہت سے پورا باب ہے بیشمار ہیں مجھے تعداد یاد نہیں ہے۔ حضرت حافظ صاحب فرما رہے ہیں کہ باون درود شریف ہیں جو نبیؐ سے روایت کیے گئے ہیں لیکن آپ نے فرمایا جتنے درود بھی میں نے ارشاد فرمائے ہیں وہ پڑھے جائیں تو ان کے ثواب کا حساب کروڑوں گنا ہوگا۔ ہزاروں گنا ہوگا لاکھوں گنا ہوگا لیکن حساب کتاب میں لیکن اگر یہ درود پڑھا جائے۔

اللھم صل علی محمد النبی الامی وعلی الہ وصحبہ وبارک وسلم تو اس کا ثواب ایسے ہے جیسے کوئی سارا ڈھیر اٹھا لے۔ حساب نہ کرے بلکہ کہے یہ سارا ڈھیر لے جاؤ تو اس طرح کے ارشادات نبوی موجود ہیں اور میری ناقص رائے میں تو وہی درود بہتر ہے انہی میں سے کوئی نہ کوئی پڑھا جائے جو حضور نے پڑھنے کو فرمایا ہے اس کا **اللھم صلی علی محمد النبی الامی وعلی الہ وصحبہ وبارک وسلم** ثانی وہ نہیں ہو سکتا جو اپنی مرضی سے بناتے ہیں۔ تو ویسے درود کے لئے ملائکہ مقرر ہوتے ہیں کچھ فرشتے ایسے ہیں جن کی ڈیوٹی ہی صرف درود پر ہوتی ہے۔ جہاں کوئی درود پڑھتا ہے لے کر دربار نبوی میں پہنچاتے ہیں۔ اس کا نام اور اس کی شناخت فلاں یا فلاں کا بیٹا یا فلاں فلاں کی بیٹی نے یہ درود بارگاہ عالی میں بھیجا ہے۔ اس لئے درود جہاں بھی پڑھا جائے پہنچ جاتا ہے اللہ نے اس کے پہنچانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ کی وسعت میں کائنات کی حیثیت کوئی نہیں ہے چھوٹی سی ہے اور آپ کی نگاہ اس سے وسیع تر ہے نگاہ کا ہونا اور بات ہے اور کسی کو دیکھنا اور بات ہے بندہ اس قابل نہیں ہے کہ حضورؐ اس کی طرف متوجہ ہوں نہ ہماری یہ حیثیت۔ نہ ہماری یہ مجال اور یہ اللہ کا احسان ہے۔ کہ اس نے کچھ فرشتوں کی ذمہ داری ہی یہ لگا دی ہے کہ جہاں بھی کوئی پڑھے وہ بارگاہ نبوی میں پہنچا دیا جائے اگر روضہ اطہر پر حاضر ہو کر پڑھا جائے تو وہاں سلام دینے کا ایسے ہی حکم ہے جیسے آپکی حیات دنیوی میں بارگاہ نبوی میں پیش کیا جاتا تھا تو وہاں آپ کھڑے ہو کر بعد شوق عرض کرتے ہیں **السلام علیک یا رسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ۔**

سوال: پچاس سال سے اس ملک میں لادینی نظام چل رہا ہے کیا اس ملک کا کوئی فوجی اگر کسی غیر مسلم ملک کے خلاف جنگ میں مارا جائے تو وہ شہید کہلائے گا۔

جواب: بالکل شہید ہو گا اگر اس کے دل میں نیت میں یہ بات ہو کہ یہ مسلمانوں کا ملک ہے اور کافر اس پہ یلغار کر رہے ہیں اور میں اسلام کا مسلمانوں کا دفاع کر رہا ہوں یہ نیت جس کی ہے وہ بیشک شہید ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس کے بس میں نہیں ہے کہ اس کا نظام بدلے لیکن وہ مسلمانوں کی آبرو کا مسلمانوں کی جان و مال کا مسلمان کے ملک کا محافظ تو ہے اور اس کے لئے جان دے رہا ہے تو پھر شہادت میں کوئی شبہ نہیں۔

سوال: صوفیاء کا تصور وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: صوفیاء کو جب مشاہدہ ہوتا ہے تو مشاہدات کا کمال یہ ہے کہ یوں تو ہمیں بھی مشاہدہ ہوتا ہے کہ وہ اس کو اس قوت کو دیکھ لیتا ہے جس نے ان درد دیوار کو کھڑا کر رکھا ہے۔ ہماری ظاہری نظر میں دیوار اپنی ہمت سے اپنے قدموں پہ کھڑی ہے۔ درخت اپنی جگہ پہ کھڑا کر رکھا ہے۔ لیکن وہ جب قلب کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ سمجھتا ہے یہ جڑیں وڑیں کوئی شے نہیں اسے تو کسی نے کھڑا کر رکھا ہے یہ از خود نہیں پھل پھول رہا اسے کوئی اس پر پھل پھول لگا رہا ہے۔ یہ دیوار یہ مکان از خود نہیں کھڑا ہے اسے کسی نے کھڑا کر رکھا ہے تو وہ حقیقت جب اسے نظر آئی تو اس نے کہا یہ سارے وجود تو وہم ہیں اصل وجود تو ایک ہی ہے۔ ان سب میں بھی وہی جلوہ گر ہے۔ اصل وہی ذات باری ہے کہ وجود ہے باقی سارے یہ نقش برآں ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں تو صوفیوں نے وحدت الوجود کہہ دیا حقیقی وجود صرف ایک ہے باقی جتنے وجود ہیں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ انہیں کھڑا رکھے تو کھڑے رہتے ہیں۔ جیسے گرا دیں وہ گر جاتا ہے۔ لیکن عام آدمی اسے سمجھنے سے قاصر رہا اور لوگوں نے درختوں کو پتھروں کو دیواروں کو اینٹوں کو خدا سمجھنا شروع کر دیا معبود سمجھنا شروع کر دیا۔ وحدت الوجود کا مطلب تو یہ تھا کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ان کے لئے زندگی ضائع نہ کرو۔ مال کے پیچھے ساری زندگی نہ دوڑتے رہو۔ مکان اور کوٹھی بنانے کے لئے عمر ضائع نہ کردو یہ ضروریات زندگی ہیں۔ نصیب میں ہے تو ضرور کرو لیکن اصل مقصد لئے رضا باری حاصل کرنا ہے۔ اصل وجود وہ ایک ہے اس کے لئے اصل وقت صرف کیا جائے مقصد اس کی رضا کا حصول ہو یہ تھا مقصد وحدت الوجود کا لوگوں نے نا اہلوں نے یوں سمجھا کہ ہر چیز ہی خدا ہے یار یہ پتھر بھی خدا ہے۔ بندہ بھی خدا ہے۔ تو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس میں تبدیلی فرمائی لوگوں کی اہلیت دیکھ کر کہ یہ وحدت الوجود کو تو سمجھ نہیں رہے گمراہ ہو رہے ہیں۔ اس لئے اسے وحدت الشہود کہا جائے کہ ہر چیز اس واحد کے وجود کی گواہ ہے۔ شہادت دے رہی ہے اس کی قدرت کاملہ کی یعنی کم از کم لوگوں کو اس طرح سے سمجھ آ جائے کہ یہ باقی کائنات کے جتنے وجود ہیں۔ یہ گواہ ہیں اس کی عظمت اس کی خلقت اس کی قدرت کاملہ پر لہٰذا اسے وحدت الوجود نہ کہا جائے وحدت الشہود کہا جائے کچھ لوگ اس طرف مصر ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ اپنا لیا تو یوں دو مکتبہ فکر بن گئے وحدت الوجود اور وحدت الشہود۔

سوال: اہل دنیا کے میاں بیوی جنت میں اگر ایک دوسرے کے ساتھ نہ رہنا چاہیں تو کیا یہ ممکن ہے۔

جواب: اہل دنیا کو خدا نے نکاح کرتے وقت ہاں یا نا کرنے کی اجازت دی ہے اس وقت کیوں بھنگ پی لیتے ہیں۔ ایجاب و قبول کے بغیر تو نکاح ہوتا نہیں میاں بھی قبول کرتا ہے بیوی بھی قبول کرتی ہے اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ان سے جبراً قبول نہ کرایا جائے وہ اپنی پسند سے قبول کریں۔ تو جب قبول کر لیا تو اب تو لڑتی ہے تو وہاں بھی مار کھانا پڑے گی۔ لیکن ایک بات ہے آپ گھبرائیں نہیں جو مرد جو بیویاں جنت میں جائیں گی ان کے دل میں ذرا برابر بھی کوئی دنیا کے غصے کنے برائی جیسے غل کہا ہے قرآن نے وہ غل کا ہر ذرہ نکال دیا جائے گا۔ جنت میں آپ سے بڑی محبت کرے گی ڈریں نہیں۔ دنیا میں برداشت کریں۔ لے جائیں ساتھ جنت میں جنت میں وہ اہل جنت سے ہو گی محبت کرے گی خدمت کرے گی۔ آپ گھبرائیں نہیں جانے دیں غریب کو اور ساتھ رہنے دیں پتہ نہیں تھا۔ مجھے کو لوگ بیویوں سے اتنے تھک چکے ہیں۔ اب کچھ بیویوں کو بھی سوچنا چاہئے کہ یہ ساری عمر یہ نہ دعا کرتے رہیں کہ خدایا میری بیوی کو جنت نہ بھیجنا۔ "ذرا ذرا تھ ہولا رکھو کم از کم بندے نوں اتنا نہ

تھکاؤ قبر وچ وی ڈردا رہوے بھائی بیوی تے نہی آ گئی" تو اللہ بیویوں کو بھی شرم و حیا اور احساس دے دنیا میں جتنے فساد ہوتے ہیں انمیں سے سب سے زیادہ فساد جنس پہ ہوتا ہے اور جسے انگریزی میں سیکس کہتے ہیں۔ اسلام نے اس کو اتنا خوبصورت موڑ دیا ہے کہ یہ مخالفوں کے درمیان میں بھی رشتہ ہو جائے تو ان میں محبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دوست بن جاتے ہیں۔ اسلامی طریقے سے جو مرد یا خاتون یا بچے بچی کا ملاپ ہوتا ہے میاں بیوی بنتے ہیں وہ دو خاندانوں کو ایک دوسرے کا دست بازو بنا دیتے ہیں جب کہ دنیا میں یہی بات فساد کی جڑ ہے۔ اب وہاں ہوتا یہ ہے کہ ہم اس وقت تو والدین کے کہنے پر کر لیتے ہیں یا شرماں شری میں ہاں نہیں کرتے بعد میں جب ایک دوسرے سے سابقہ پڑتا ہے پھر ڈانگ سوٹا چلانا شروع کر دیتے ہیں تو میرے خیال میں جسے شادی کرتے وقت صبر و سکون سے جس نے امن کہہ دیا ہے۔ اسے اپنے کہے کو نبھانے کی کوشش کرنی چاہئے اور قوت برداشت پیدا کرنی چاہئے چونکہ ہر بندے کا مزاج ایک سا نہیں ہوتا اور ہر بندہ ہمیشہ صحیح نہیں ہوتا نہ ہمیشہ بیوی کی رائے صحیح ہوتی اور نہ ہر وقت میاں کی رائے صحیح ہوتی ہے وہ بھی انسان ہے کسی وقت ہم غلطی پہ ہوتے ہیں وہ صحیح سوچ رہی ہوتی ہے۔ بات سن لینی چاہئے کبھی وہ غلط کہہ رہی ہوتی ہے ہم صحیح ہوتے ہیں لیکن صبر اور سکون کے ساتھ بندے کو سمجھا لینا چاہئے قائل کر لینا چاہئے اور اگر گھر میں لڑائی بھڑائی بھی نہ ہو گو پھر سمجھو میاں بیوی کا رشتہ کوئی نہیں۔ یہ اتنا (SERIOUS) نہیں لینا چاہئے کہ آپ جنت میں بھی دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیں کہ میں اسے نہیں گھسنے دوں گا۔ نہیں ایسے نہیں جو مرد جو عورتیں جنت میں جائیں گے۔ اللہ ان کو جوان بھی بنا دے گا۔ سب کو حسین بھی بنا دیا جائے گا خوبصورت بھی بنا دیا گا اور سب کے دلوں میں سے ہر طرح کی کدورت بھی نکال دے گا۔ محبت ہی محبت ہو گی ڈریں نہیں۔

سوال: اللہ کے فضل و کرم سے حتی الامکان کوشش ہے کہ اچھے اعمال میں وقت لگے لیکن بعض اوقات گندے خیالات جان نہیں چھوڑتے۔ ان گندے خیالات سے بچنے کا اکسیر نسخہ کیا ہے؟

جواب: صرف ایک کہ آپ ان کو رائی برابر اہمیت نہ دیں۔ انشاء اللہ ختم ہو جائیں گے ہوتا یہ ہے کہ شیطان وسوسے ڈالتا ہے۔ ہم اپنی کمزوری کے سبب ان کو سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ شیطانی وسوسہ نہیں رہتا۔ وہ ہمارا اپنا وہم یا خیال بن جاتا ہے۔ اگر اللہ ہمت دے اور آدمی اسے رد کر دے اس کی پرواہ نہ کرے۔ جسے وہ انگریزی میں کہتے ہیں اگنور(Ignore) کر دے اسے صرف نظر کرے اب دونوں لفظ مشکل ہو گئے۔ یعنی اس کی طرف متوجہ نہ ہو اسے بھول جائے اس کی کوئی اہمیت اس کے دل میں نہ ہو تو وہ از خود ختم ہو جاتا ہے اور یہی اس کا طریقہ ہے آپ لاحول پڑھنا شروع کر دیں درود شریف پڑھنا شروع کر دیں سب سے اچھا نسخہ درود شریف ہے پڑھتے رہیں۔

سوال: دنیا سے باایمان برزخ میں منتقل کرنا شیخ کی ذمہ داری ہے اس پر روشنی ڈالیں؟

جواب: شیخ کی ذمہ داری اس حد تک ہے کہ وہ دیانتداری سے رہنمائی کرے۔ تبلیغ بھی کرے راستہ بھی بتائے اور پوری دیانت اور پوری قوت سے اپنی قلبی توجہ بھی طالبوں اور شاگردوں کی طرف متوجہ رکھے۔ آگے ہر بندے کا ایک ذاتی معاملہ اللہ رب الغرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر خدا نخواستہ بندے کا معاملہ رب سے بگڑ جائے تو اسے شیخ تو کیا نبیؑ نہیں بچا سکتا شیخ کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ انبیاء کے ساتھ جو لوگ تھے وہ بھی بچھڑ گئے نبوی کی تبلیغ نہ مانی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے کفر پر لوگ مرے یہ وہ لوگ تھے۔ جنہوں نے رب سے بگاڑ لی تھی تو اندر دل کی گہرائی میں وہ فیصلہ کرتا ہے اللہ کی طرف جانے کا تو اللہ اسے کسی شیخ کے پاس پہنچاتا ہے۔

اس فیصلے پر قائم رہے پھر کوئی خطرہ نہیں۔ غلطی کا ہو جانا گناہ کا ہو جانا ممکن ہے۔ گناہ کو اپنائے نہیں۔ گناہ کو گناہ سمجھے توبہ کی کوشش کرے رجوع کی کوشش کرے محنت کرتا رہے اللہ کریم ہے وہ محروم نہیں رکھتا۔

سوال: صوفیاء کرام ذکر الٰہی کرتے وقت لفظ اللہ ہو استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ تلفظ قرآن پاک میں کہیں نہیں۔ قرآن پاک میں ایسے اللہ لا الہ الا ھو وغیرہ یا پھر اشارے کی ضمیریں آتی ہیں **لہ ملک السموت والارض تولہ** میں ھو جو ہے اس کا اشارہ قبل کی طرف ہے سمجھ نہیں آتا کہ غلط پڑھنے سے یہ ذکر الٰہی کیسے بن جاتا ہے۔ اگر ذاتی نام ہی صحیح نہ پڑھا جائے تو ذکر کا فائدہ؟ اگر اللہ والی ہا موقوف کر دیں تو اللہ پڑھا جائے گا اور یہ درست ہو گا صرف ہو کو اللہ سے علیحدہ کریں تو اللہ رہ جائے گا الا اللہ رہ جاتا ہے اور اصل میں الا ہو گا جب قانون عائد کریں تو الا بنے گا جس کے معنی نفی کے ہیں تو یہ کیسے ذکر خدا ہوا۔

جواب: اللہ ھو ایک جملہ بن جاتا ہے تام کہ وہی ہے اللہ۔ اللہ کے ساتھ جب ھو کی ضمیر جمع ہوتی ہے یہ ایک مکمل جملہ بن جاتا ہے کہ وہی اللہ ہے اب اس کے جو بننے کے قاعدے میں آپ سادہ سادہ یہ سمجھ لیں کہ یہ ایک جملہ تام ہے ایک مکمل باقی جملہ ہے اللہ کے ساتھ ہو کی ضمیر لگا کر ھو کی ضمیر یہ فائدہ دیتی ہے کہ وہی ایک ہے جسکا نام ہے اللہ۔

سوال: ایک سوال ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت فاطمہ کی تکلیف کے پیش نظر حضرت علیؓ کو دوسری شادی سے منع فرمایا تھا جب کہ اسلام میں بیک وقت چار شادیوں کی اجازت ہے۔؟ عورت کو خاوند کی دوسری شادی سے تکلیف ہوتی بھی ہے پھر اسلام نے ایسا حکم کیوں دیا؟ پھر نبی اکرمؐ کے لئے احکام اور تھے اور دوسروں کے لئے اور۔

جواب: حضرت علی کرم اللہ وجہ الکریم نے ارادہ فرمایا تھا۔ ابو جہل کی صاحبزادی سے نکاح کرنے کا جو مسلمان ہو چکی تھی نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو طبعاً" یہ بات ناگوار گذری اور آپ نے فرمایا کہ رسول خدا اور دشمن خدا کی بیٹیاں ایک گھر میں جمع نہیں ہونی چاہئے گو مسلمان ہو چکی تھیں اور انہیں وہ سارے حقوق حاصل تھے لیکن مسلمان ہو جانا اور بات اور محمد رسول اللہ کی بیٹی ہونا اور بات ہے تو آپ نے یہ فرمایا کہ بیشک کوئی مسلمان نکاح کرے لیکن میری بیٹی کے ساتھ اسے جمع نہ کیا جائے اس میں کوئی ایسی الجھی ہوئی بات نہیں سمجھ میں آنے والی بات ہے ایک بات دوسری بات جو آپ نے خود لکھی ہے کیا نبیؐ کے لئے احکام اور تھے تو آپ کے لئے کچھ احکام خصوصیت بھی تھی حضورؐ کی جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں تھا۔ ساری امت پر پانچ نمازیں فرض ہیں حضور پر چھ تھیں آپ کے لئے تہجد بھی فرض تھا جس کا حکم قرآن حکیم کی نص میں موجود ہے تو قرآن کی نص جس بات کا حکم دیتی ہے وہ فرض ہو جاتی ہے یہ اللہ کا احسان ہے کہ حضورؐ نے وہ فرض اپنی ذات تک رکھا ہم پر تہجد کو فرض نہیں فرمایا ہم عشاء کے بعد جو نفل پڑھ لیتے ہیں اگر کوئی سحری کو اٹھ کر تہجد نہ پڑھے تو وہ عشاء کے وتر کے بعد والے نفل اس کے تہجد کے قائم مقام شمار ہوتے ہیں۔ تو آپ کے لیے مجاہدے بھی مخصوص تھے اور جب لوگوں نے ارادہ کیا مسلسل روزے رکھنے کا تو آپؐ نے فرمایا تم میری مثل نہیں ہو مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے اسی طرح فقہی احکام میں اور بھی تخصیصات ہیں حضورؐ نے گیارہ عقد شریف فرمائے اور باقی ساری امت کے لئے چار ہیں زائد جائز نہیں آپ کے لئے وہ حکم خاص تھا سب کے لئے نہیں ہے آپ کے لئے صرف ایک طرف خاص نہیں ہے مجاہدے میں محنت و مشقت میں آپ کی ذات کی بہت سی خصوصیات تھیں جو ہمارے لیے ممکن نہیں تو بعض چیزیں نبیؐ کی ذات کے ساتھ خاص تھیں، خاص ہیں اور خاص رہیں گی ہر بندہ

حضور کی مثل نہیں ہو سکتا ہمارے لئے وہ احکام ہیں جو حضور نے ہمارے لئے ارشاد فرمائے ایک بات دوسری بات یہ بھی یاد رہے کہ انسانی مزاج بدلتے ہیں شریعت نے جو حکم دیئے ہیں یہ ضروری نہیں کہ ان میں کسی کو کوئی حکم گراں نہ گزرے چار شادیوں کے مسئلہ کے متعلق اس شعبے کے حکماء نے جو زیر بحث لایا ہے اس میں بڑی تفصیل ہے اس میں بہت بڑی حکمت انہوں نے لکھی ہے دنیا کا کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جس کے لوگ ساری زندگی ایک بیوی کے ساتھ گزارہ کرتے ہیں انہوں نے ناجائز راستے دیئے ہیں مذہب میں بیوی کا مقام کسی عورت کو نہیں دیا لیکن انہوں نے عورتیں مہیا کیں ہیں یہ اسلام ہے کہ جس نے مرد کو مجبور کر دیا کہ وہ جس خاتون کو ساتھ رکھے اسے بحیثیت بیوی رکھے اور بیوی کا (STATUS) دے معیار دے پھر بڑی کڑی شرط عائد کی ہے قرآن حکیم نے **الا تعدلوا فواحدۃ** اگر تم عدل نہ کر سکو تو پھر ایک ہی بیوی رکھو تو پھر دو نکاح کرنا ایک کو بھگا دینا اسے خرچہ نہ دینا یہ شرعی طریقہ نہیں ہے اور یہ سخت گناہ ہوگا اور یہ تو مواخذہ کے وقت پتہ چلے گا اسلام نے تو جو شرط عائد کی ہے اس میں تو دوسری شادی کا راستہ ایک حد تک بند کر دیا تو بشری خصوصیات جو ہیں وہ بدن سے نفی نہیں ہو جاتیں ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کے والد ماجد دین میں دین کی تبلیغ میں ان کی مخالفت کرتے رہے اور کفر کی حمایت کرتے رہے بت گری کرتے رہے لیکن جب وقت آیا ان کے منہ سے دعا نکل ہی گئی کہ خدایا میرا والد تو ہے تو اگر معاف کر دے اگرچہ اللہ نے منع کر دیا کہ آپ ان کے لئے دعا نہ کریں نوح علیہ السلام کا بیٹا کفر کی حمایت میں غرق ہونے لگا تو اولوالعزم رسول تھے لیکن انسان بھی تو تھے شفقت پدری بھی تو تھی آپ سے دعا نکل ہی گئی کہ اللہ اگر میرے بیٹے کو بچالے تو فرمایا نہیں تو اس کے لئے آئندہ دعا ہی نہ کرنا جانے دے اسے جدھر جائے تو وہ جو بشری اور فطری تقاضے ہوتے ہیں وہ انبیاء میں بھی ہوتے ہیں اب اگر حضورؐ کی بیوی بیٹی سے کوئی لڑے گا یا انہیں ایذاء ہوگی یا انہیں کوئی دکھ پہنچائے گا تو فطری طور پر آپ کے دل میں ملال آنا اگلے کی تباہی کے لئے کافی ہے۔ حضورؐ کچھ بھی نہ کہیں بددعا نہ کریں ناراض نہ ہوں برداشت کر جائیں لیکن کسی بات پر کسی کی طرف سے آپ کے قلب اطہر میں ملال آ جائے اس کی تباہی کے لئے یہی کافی ہے اس لیے یہ فطری تقاضا تھا کہ آپ کی بچیوں کو اس ابتلا میں نہ ڈالا جائے آپ سارے لوگ ان کی ہم سری کا خیال دل سے نکال دیں۔ اپنی اپنی حیثیت پہ رہئے پھر کوئی مغالطہ نہیں رہے گا۔

صفحہ نمبر ۴۲ سے آگے ۔

نہیں تھا۔ ڈاکٹر زین الدین نے یہ سارے عوامل سامنے رکھ کر شمال جنوبی ہائے وے کا نظریہ پیش کیا اور وہیں سے صورتحال تبدیل ہونا شروع ہوگئی۔

مہاتیر محمد کے والد ایک استاد تھے' انہوں نے ایک چھوٹے سے عام گھر میں پرورش پائی' اگر وہ موروثی جاگیردار ہوتے یا ان کا تعلق امراء کے طبقہ سے ہوتا تو ان کا زاویہ نظر ہی مختلف ہوتا اور غالبا" ملائشیا آج بھی وہیں ہوتا جہاں پہلے تھا لیکن مہاتیر محمد نے اس کی قسمت بدل ڈالی اور تاریخ کے اس اٹل اصول پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ انقلاب ہمیشہ متوسط طبقہ کے افراد لاتے ہیں۔

اے خدا! پاکستان کو بھی کوئی مہاتیر محمد عطا کر دے۔

(بشکریہ روزنامہ پاکستان)

کوئی مہاتیر محمد پاکستان کے لئے بھی

محمد اظہار الحق

"جلدی میں ہوں میں ہمیشہ جلدی میں ہوں میں نے ہمیشہ تیز رفتاری سے کام کیا ہے' میں نے ہمیشہ شدید محنت کی ہے مجھے وقت ضائع نہیں کرنا چاہئے مجھے نہیں معلوم کہ میں مزید کتنا عرصہ زندہ رہوں گا ۷۱ برس کا تو ہو چکا ہوں"۔

یہ الفاظ مہاتیر محمد کے ہیں جنہوں نے ملائشیا کو غربت اور گمنامی کی گہرائیوں سے نکال کر دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لاکھڑا کیا ہے! اس وقت ملائشیا میں بیروزگاری نام کی کوئی شے نہیں اور ملائشیا کی برآمدات کا ۸۰ فیصد حصہ مائکرو چپس جیسی جدید مصنوعات پر مشتمل ہے۔

مغربی پریس کا دعویٰ ہے کہ سنگاپور اور چین کے رہنماؤں کو چھوڑ کر اس وقت ایشیا میں کوئی ایسا رہنما نہیں ہے جو مہاتیر محمد جیسے مضبوط عزائم رکھتا ہو۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ملائشیا کی نصف آبادی شہروں میں رہائش پذیر ہے فی کس آمدنی پچھلے چھ سال میں دوگنا بڑھ چکی ہے۔ دنیا کی بلند ترین عمارت ملائشیا کے دارالحکومت کوالالمپور میں زیر تعمیر ہے۔ جو چوڑائی میں دنیا کی سب سے بڑی عمارت ملائشیا میں بنائی جارہی ہے جو دوکلو میٹر چوڑی ہوگی۔ کوالالمپور کے حد سے زیادہ گنجان ہونے کی وجہ سے دارالحکومت نیا بنایا جارہا ہے۔ کمپیوٹر اور جدید اطلاعات سے متعلقہ صنعتیں لگانے کے لئے وسیع پیمانے پر سرمایہ کاری ہو رہی ہے' یہاں تک کہ مہاتیر محمد نے مائیکرو سافٹ کے ایشیائی ہیڈ کوارٹر کو سنگاپور سے ملائشیا میں منتقل کروانے کا بندوبست کر لیا ہے۔

مہاتیر محمد کے بارے میں ماہرین اقتصادیات کی رائے ہے کہ وہ برسوں کے حساب سے نہیں بلکہ دہائیوں کے حساب سے سوچتے ہیں اور یہی وہ دور اندیشی ہے جو انہیں دوسرے لیڈروں سے ممتاز کرتی ہے۔

ملائشیاء ایک ایسا ملک ہے جس میں قومیتیں آباد ہیں' ملایا کے مقامی باشندے اکثریت میں ہیں' لیکن چینی ستائیس فیصد اور ہندوستانی آٹھ فیصد ہے۔ اس نسلی عدم توازن نے ملائشیا کو ہمیشہ مسائل میں مبتلا رکھا۔ قتل و غارت یہاں کا معمول تھا لیکن جب سے مہاتیر محمد نے وزارت عظمیٰ سنبھالی ہے' ملائشیاء ایک ایسی دلچسپ اور خوشگوار صورتحال سے دوچار ہے کہ جنوبی افریقہ اور کئی دوسرے ممالک نسلی مسئلہ کے حل کے لئے ملائشیاء کی تقلید کر رہے ہیں اور اسے ماڈل قرار دیتے ہیں۔ اس وقت ساٹھ ہزار ملائی طالب علم چینی زبان سیکھ رہے ہیں۔ مختلف قومیتوں کے درمیان شادیوں کا تناسب دن بدن بڑھ رہا ہے۔ مہاتیر محمد کہتے ہیں کہ ان کے ملک نے "نسلی ہم آہنگی" نہیں بلکہ "نسلی استحکام" حاصل کیا ہے۔

مہاتیر محمد ایشیاء کے واحد لیڈر ہیں جنہوں نے مغرب کے متعصبانہ رویوں کی کھل کر مذمت کی ہے اور مغربی پریس کے مقابلے میں کسی احساس کمتری کے بغیر' خم ٹھونک کر کھڑے ہوئے ہیں۔ تجارت اور اقتصادیات کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں مہاتیر محمد جس بے باکی اور شرح صدر سے مغرب پر تنقید کرتے ہیں' اس سے مغرب کے نام نہاد خدا حد درجہ اضطراب میں مبتلا ہیں۔ مہاتیر محمد وہ واحد رہنما ہیں جنہوں نے مغرب کی نام نہاد ماحولیاتی مہم کے منہ سے نقاب اتارا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ ان ترقی پذیر ممالک کے خلاف استعماری سازش ہے' جن کے ہاں جنگلوں کی افراط ہے اور جو ان جنگلوں کو کاٹ

کر ترقیاتی منصوبوں پر عملدرآمد کرنا چاہتے ہیں۔ مہاتیر محمد نے مغرب کی نام نہاد آزادی صحافت کا پردہ بھی چاک کیا ہے۔ انہوں نے برملا کہا ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کی صحافت کی نگرانی کرنے والے مغرب کی صحافت کہاں تک آزاد ہے؟

"میں اگر اقوام متحدہ میں کچھ کہتا ہوں تو اس کا بلیک آؤٹ کر دیا ہے مغربی پریس سنسر کا کام کر رہا ہے یہ وہی کچھ شائع کرتا ہے جسے یہ شائع ہونے کے قابل سمجھتا ہے۔ کیا دوسرے لوگ عقلمند نہیں ہیں"۔

یہ وہ لہجہ ہے جو مغرب کے لئے نیا ہے۔ امریکہ اور یورپ تو صرف ان ایشیائی اور افریقی لیڈروں کا عادی رہا ہے جو اسے جھک کر سلام کریں اور مغربی اقتصادیت. مغربی پریس مغربی کلچر اور مغربی ماشرتی ڈھانچہ ہی ان کے لئے مقدس اور محترم ہو! مہاتیر محمد نے امریکی برتری کا خواب بھی چکنا چور کر دیا ہے۔ "میں کہتا ہوں کہ امریکہ کے لئے یہ ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ دنیا کے لئے پولیس مین ہونے کا دعویٰ کرے۔ اول تو اس میں یہ کام کرنے کی صلاحیت ہی نہیں! دوئم یہ کہ پولیس میں VALUE JUDGEMENT کا کام بھی کرنا پڑ جاتا ہے اور بعض اوقات یہ غلط بھی ہو جاتا ہے' مثلاً "جب بوسنیا میں قتل عام ہوا تو کچھ بھی نہیں کیا گیا' اس کے برعکس عراق نے ذرا سی سلسلہ جنبانی کی تو شدید ردعمل کا مظاہر کیا گیا' جو پولیس مختلف لوگوں کے ضمن میں مختلف رویوں کا مظاہرہ کرے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا!"

ملائشیا کے شمالی اور جنوبی حصوں کو مربوط کرنے کے لئے مہاتیر محمد نے تقریباً" سو کلومیٹر طویل نیشنل ہائی وے تعمیر کی ہے اور یوں اس ملک کے مختلف حصوں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ جو صدیوں سے ایک دوسرے سے دور ہونے کے ساتھ ساتھ اجنبی بھی تھے۔ آخر ملائشیا پہلے تھا بھی کیا! چند بندرگاہوں کا مجموعہ اور ان میں سے ہر بندرگاہ اندرون ملک کے جنگلوں اور پہاڑوں کی وجہ سے الگ تھلگ تھی۔ کبھی تھی۔ کبھی یہاں پرتگال کا قبضہ رہا' کبھی ولندیزیوں نے حکومت کی اور کبھی انگریز اپنا استعمار مستحکم کرتے رہے۔ ساتھ ساتھ ٹین کی کانوں میں کام کرنے کے لئے چین سے تارکین وطن کی آمد کا ایسا سلسلہ جاری رہا جس کی تاریخ میں کم ہی مثال ہوگی۔ یہ سلسلہ تھما تو انگریزوں نے ربڑ کی کاشت کے لئے ہندوستان سے افرادی قوت منتقل کرنا شروع کر دی' یہاں تک کہ ۱۹۵۷ء میں ملک آزاد ہو گیا۔

مہاتیر محمد جو پیشے کے لحاظ سے ڈاکٹر ہیں سیاست میں آنے کے بعد وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد انہوں نے یونائیٹڈ ملایا نیشنل آرگنائزیشن (حکومتی پارٹی) کی لیڈر شپ سنبھالی اور پھر وزیراعظم ہو گئے۔ وزیراعظم بننے کے بعد مہاتیر محمد نے سرکاری ملازموں کے لئے صبح آٹھ بجے دفتروں میں حاضری چیک کرنے کے لئے ٹائم کلاک نصیب کروائے۔ خود وزیراعظم ان قوانین سے مستثنیٰ نہیں۔ مہاتیر محمد دفتر پہنچ کر اور دفتر سے جاتے وقت حاضری کا کارڈ اسی طرح پنچ کرتے ہیں جس طرح عام ملازم کرتا ہے۔

خدا نے ملائشیا کو موروثی زمینداروں اور ان پڑھ وزیروں اور مشیروں سے بچایا ورنہ ملائشیا بھی آج صرف ہارس ٹریڈنگ اور من پسند افسروں کے تبادلوں کی وجہ سے "ممتاز" ہوتا۔ مہاتیر محمد کے وزراء اور مشیر چوٹی کے تعلیم یافتہ لوگ تھے۔ ان کے مشیر اقتصادیات دائم زین الدین کی قابلیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب مہاتیر محمد نے انہیں ملائشیا کو اقتصادی بحران سے نکالنے کے لئے کچھ کرنے کو کہا تو ان کی نگاہ ۱۹۲۹ء کے ریاست ہائے متحدہ امریکہ پر ٹھہر گئی۔ امریکہ نے اس وقت ہائی وے بنائے تھے۔ دائم زین الدین نے ۱۹۲۹ء کے امریکہ کو دیکھنے کے بعد ایک بار پھر ملائشیا کو دیکھا سیمنٹ کی افراط تھی۔ ساٹھ ہزار تعلیم یافتہ نوجوان روزگار کی تلاش میں سرگرداں تھے اور کاربن بنانے کی صنعت بیکار پڑی تھی کیونکہ سڑکوں کی حالت کے پیش نظر کار خریدنے والا کوئی

بقیہ۔ صفحہ نمبر ۴۰ پر

The Naqshbandiyah tariqa tied micro structures to macro structures of the society; the understanding of Islamic beliefs as being connected both to daily life and as a mass problem. Zikr and communal prayers played a crucial role in tying these structures together. Hence, zikr and prayers are not only the statement of a person's belief they are at the same time the realisation of thousands of people turning in the same direction, a statement of togetherness. Through this process the Chechens were able to maintain both the social cohesion and the collective unity.

Economic, political and social structures of contemporary Muslim societies if developed around the Khanaqas of various tariqas could pave way of delinking the Muslim world from the global capitalist system. Popularisation of traditional rituals of tariqas will be a death blow to the entertainment and cultural industry, one of the pillars of 'spiritually empty' capitalist system. Popularisation of traditional rituals of tariqas will be a death blow to the entertainment and cultural industry, one of the pillars of 'spiritually empty' capitalist society. Workings of economic and military institutions based on khanaqas is well documented in the Ottoman literature. Various tariqas and their khanaqas were also responsible for bringing Islam to millions from Balkans to Indonesia, and from Tartarstan to the depths of tropical Africa.

The most positive aspect about tariqas is that they have neither been on defensive and nor inward looking as compared to the "Islamic puritans" -most obsessed with outer forms than with the essence. This their poverty of comprehension about Muslims sects -Sunnis and Shias -and Pakistan needs today more than ever before the culture of tolerance for internal as well as regional stability.

The tariqas cut across all man-made barriers of ethnicity and sectarianism as is being witnessed in the Kavkaz and the Central Asia. The same is also true in the Indo-Pakistan subcontinent. Areas where considerable tariqa influence exists never experienced sectarian violence. Shaikh Shamil was an Avar from Daghestan but Chechens were his most ardent supporters. Today, the tariqa is the unifying force in the Kavkaz and Ural-Volga region against nationalism. In very near future, Daghestan and Ingushtia will soon be following the way of the Chechenistan (Republic of Ichkeria).

The Successful experience of the Naqshbandiyah tariqa in integration of individuals within community and now community within state structure-micro structures with macro structures-deserves research by our armed forces, strategic planners, social and political scientists. It may perhaps open new vistas for articulation of new community organisation within the parameters of an Islamic state.

The problem of resource mobilisation is minimised in a legitimate state as the people owns the state. The overcoming of the material scarcity against heavy odds by the Chechens is in itself a testimony of their legitimacy and their trust in their leadership. In an illegitimate state even the patriotic and pious people keep their wealth away in safe havens out of reach from the "robber state".

An illegitimate state cannot command the obedience of its citizens except through coercion. Muslims from all over the world including from Pakistan contributed millions of dollars to the "legitimate leadership" of Chenchenistan to bring about the "legitimate state." A legitimate Islamic state commands the resources of the Ummah-the global community of Muslims.

dispel all forms of false propaganda by the "Islamic puritans" that tassawuf is a degenerate form of Islam. In fact, institutions developed by the Naqshbandiyah tariqa and other sufi orders are the traditional instruments still capable of effectively countering the onslaught of the institutions and dynamics of Kufr and its constantly changing appearances. Their fossilised interpretation of Shariah is a major handicap of their approach to solve the existential problems with humane solutions.

Whereas, the tariqas have been continuously bringing Islam, by synthesizing Islamic Principles with local customs, to non-Is-lamic societies everywhere. The most vibrant contemporary movement for social transformation are tariqas penetrating deep into tropical Africa, the Balkans, India and the Indonesian archipelago. The tariqas are on the offensive against the materialistic civilisation.

The peoples of Indo-Pakistan subcontinent would lose a great part of the heritage if they fail to learn from their ancestors, the illustrious sufi shaikhs like Shah Wali Allah Dehlvi, Shaikh Ahmed Sirhindi and Ahmed Raza Khan Barelvi. The greatest legacy of these shaikhs is mutual tolerance among the various

The Naqshbandiyah tariqa played an important role in keeping 'micro structures' of society intact in both secular Kemalist Turkey and throught former communist Soviet Union Union. When we say 'micro structure', what comes to mind are family relations, the ties between people at a local level: not society as a bureaucratic machine, but the totality of social relations in which the human element has an important place. The culture that emerged situated human relations within an Islamic framework and established institutions peculiar to itself that assisted in the emergence of human values. Thus, it must come as no surprise to anybody that Russian civilians living amidst the Chechens complained of no harassment or their own free will.

During its long history of secular domination the tariqa developed institutions which countered the feelings of emptiness within the family thereby maintaining social cohesion of the societies. Both, Kemalist Turkey and former communist Soviet Union, failed to raise a 'modern secular Turk' and an 'ideal communist man' respectively. These regimes rather were concentrated on subjects that we can describe as 'big'.

For example, the character of the political regime, the principle of nationalism and rapid economic development. Whereas what makes people into human beings is not only their participating in great causes unless it is directly related to his/her person, like sacrificing for the sake of something which is very dear to him/her.

A sector of life that we can call 'daily life' produces problems for most people as serious as those of great causes. For instance, the relations of parents and children, the relations between relatives whose behavior is going to be chosen as a model, how mutual assistance-solidarity and customs which have been established to assist the formation of ties of friendship-are going to be organised.

These regimes did not put these subjects to the fore. As a result Islamic values which circumscribe daily relations predominated in daily life, even if only implicitly. With the start of the twentieth century, the rise in the literacy rate, the more people actively entering society, and together with their entering it with increasing demands, forced the subject to be looked at as a mass problem.

own. In 1934 the Soviet bureaucracy administering the multinational parts of the North Kavkaz region moved from Rostov to Vladikavkaz in North Ossetia.

Only in December 1936 did the mountain peoples of Kavkaz gain a greater say in the management of their affairs through the transformation of three Autonomous Provinces into Republics (Kabardinian-Balkar A.S.S.R., Chechen-Ingush A.S.S.R. and North Ossetia A.S.S.R.). The purpose behind repeated shifting of the North Kavkaz peoples from one territorial unit to another was to discourage unity among them but this paradoxically also ran counter to the creation of Soviet citizens and socialist transformation of society. The members of Naqshbandiyah tariqa adapted to the challenge of communism.

The village imams even managed to keep alive illegal Shariah courts which were camouflaged as 'reconciliation commissions'. The work of the secular Soviet schools, where the children taught in the winter, was counteracted by the underground Naqshbandi madrasas where the young would learn during the summer holidays all that the Soviet authorities wished them to disregard. 1931 decree, issued by the Presidium of the Central Executive Committee (TsIK) in Moscow, stipulated that by the end of 1932 at least 70 per cent of officials in the Autonomous Provinces should be recruited from among the local nationalities.

This facilitated the Naqshbandiyah brothers to penetrate all levels of Soviet administrative system. In Daghestan, the memory of Shaikh Shamil was so universally respected that even the Soviet regime had to accept the Shamil cult. During over thirty years Soviet historians tried hard to interpret Shamil in accordance with communist ideology.

Some went so far as to depict him almost forerunner of communism, and practically all agreed that he was the leader of a progressive national liberation movement. In all history textbooks as used in Soviet schools Shaikh Shamil figured as a brave and capable military leader, a skillful organiser, a promoter of trade and an opponent of local feudalism. In 1947 members of the Institute for History of the All-Union Academy of Sciences were summoned for a long discussion on the "Shaikh Shamil problem".

Most of the historians participating in it could find no possibility of reversing their judgment on the "progressive and democratic character" of Shaikh Shamil. Although the party leadership might have been expected to disagree with the attitude of the Academy, it waited till 1950 for its formal denunciation of the Shaikh Shamil cult. Throughout the last 200 years, the shaikhs of Naqshbandiyah tariqa not only fought against adate (non-Islamic local customary laws) but since 1917 countered the communism effectively by maintaining decentralized structure with Chaikhanas (teashops) as focal meeting points of all local activities. They continued their activity throughout the Kavkaz region-Ingushtia, Chechenistan and Daghestan-without bothering about the national and regional boundaries.

The worst form of oppression was suffered by the Chechens when about 407, 600 (1939 census) were deported to Kazakhstan in 1944 for allegedly collaborating with the Nazis. Later, Soviet propaganda branded all Chechens and Ingush as agents of "Turkish Imperialism".

In 1957, they were allowed to return to their home territory after being awarded an official pardon.

1991 Chechen uprising and subsequent developments till the victory of Chechen mujahids in August 1996 must be seen in their historical perspective and the ultimate vindication of the methods adopted by the Naqhbandiyah tariqa to challenge the might of the Soviet state and later Russian Army should

Ahmed Said's three sons jointly inherited his legacy: two left for Makkah, where they attracted a circle of Indian and Turkish followers, while the third, Muhammad Mazhar, remained in Medina administering a following of religious scholars (ulema) and students from India, Turkey, Daghestan, Kazan and Central Asia (Turkistan).

The impetus that has carried the Naqshbandiyah tariqa forward into modern times came form another successor of Shaikh Ghulam Ali Dehlvi, Mawlana Khalid al-Baghdadi (d.1827). Mawlana Khalid started a devotional practice known as rabitah (linkage), where a disciple makes a mental image of his shaikh before engaging in zikr, in an attempt to create a centralised and disciplined order. This attempt was connected in turn to an activist political stance, aimed both at securing the supremacy of Shariah within Muslim society and at repelling Western aggression.

Born in the Shahrazur district of southern Kurdistan in 1776, Mawlana Khalid spent about a year with Shaikh Ghulam Ali in Delhi before returning to homeland with "complete and absolute authority" as his representative in 1811. From his three successive places of residence, Sulaymaniya, Baghdad and Damascus-Mawlana Khalid accordingly set up a network of 116 representatives, each with a carefully delineated geographic area of responsibility. His initiates included not only members of the Ottoman religious hierarchy but also a number of provincial governors and military figures.
The Naqshbandiyah tariqa also took swift and permanent root in Daghestan. This region has made its first acquaintance with the Naqshbandiyah in the late eighteenth century, but it was Mawlana Khalid's influence that made it Naqshbandi territory while he was still alive. The dual emphases of the Naqshbandiyah in Daghestan were the substitution of the Shariah for adats (non-Islamic customary laws) and resistance to the Russian aggression.
The first Naqshbandi leader of the Daghestanis, Ghazi Muhammad, was martyred by the Russians in 1832, and his immediate successor met the same fate two years later. By contrast, Shaikh Shamil, who next assumed leadership was able to hold the Russians at bay until 1859-one of the most prolonged and celebrated instances of Muslim resistance to Russian imperialism.

Shaikh Shamil promulgated Shariah throughout Chechenistan and Daghestan. The period is popularly known today as the "Imamate of Shamil" which has been the source of inspiration to the generations of Chechens and Daghestanis.

When the Russian captured Gunib, taking Shaikh Shamil prisoner in 1859, it considered the Kavkaz Jihad finally over. If the Russians believed that they had subdued the Kavkaz people, they had a surprise coming. In 1877, another Jihad, led by 23-year old Ali Bek Haji flared up. This was centered around Chechenistan and Daghestan. The Imamate of Chechenistan and Daghestan flourished in the interval between the collapse of Czarist Russia and the establishment of Soviet rule.
The Soviet government decided that there should be one United Northern Kavkaz Republic aggregating approximately 1.5 million people this Republic-officially called 'Autonomous Mountain Socialist Soviet Republic'-(Gorskaya A.S.S.R.) was formed by a decree of 20 January 1920. The Republic comprised no fewer than seven different Kavkaz peoples: Kabardinians, Chechens, Circassians, Ingush, Ossetins, Balkars and Karachay.
In its original form the Mountain Republic remained in being for only about twenty months. The Russian communist rulers apparently felt that the promotion of unity among the North Kavkaz peoples was not in the interest of Soviet centralism and that it was safer to have them split up again into several single units. in December 1922 the Chechens were induced to set up an Autonomous Province of their

successful political movement baked by a highly disciplined fighting force which brought the might of the Russian Army to its knees.

The Naqshbandiyah tariqa is one of the most widespread and vigorous of all the sufi orders. It is found in most regions of Muslim Asia as well as in Turkey, the Balkans, and the Volga-Ural

region. The Naqshbandiyah sufi order was founded by Khwaja Muhammad Bahauddin Bukhari (1317-1389) of Bukhara.

Naqshbandi means artist. The leading characteristics of the Naqshbandiyah are strict adherence to the Shariah and he teachings of Ahle Bait (Prophet's family), individual and collective struggle to establish the Shariah as supreme law of the land, a sobriety in devotional practices that results in the shunning of music and dance and a preference for silent remembrance of Allah (zikr). This happens at the subtle centre of a person in an inner sanctuary which is the spiritual heart. It involves an existential spiritual awareness of total dependence of creation on The Creator.

The Naqshbandiyah stresses silence as a significant element in living spirituality, and emphasizes the spiritual disciplines of concentration and recollection as ways to The Ultimate Eternal Reality, Allah. New impetus was given to its expansion by the rise of the Mujaddddid-i Alf-i Sani ("Renewere of the Second Millennium," d. 1624), which by the close of the eighteenth century was virtually synonymous with the order as a whole throughout Indian subcontinent, the Ottoman lands, and most of Central Asia (includes both western Turkistan and eastern Turkistan i.e. Xinjiang province of China).

In the Indian subcontinent Shah Wali Allah of Delhi (1703-62) grew up while the Mughal empire was declining, and his aim was to reform and revive Islam inwardly in India, and at the same time to defend Islam from potential attacks from non-Muslims. He did not completely reject medieval Islam like his contemporary reformer in Arabia, al-Wahhab (1703-87), but sought to synthesize Islamic law, tassawuf (mysticism) and theology into a new integral vision that would revive Islam in India and make the country the chief intellectual and organizational center of the Naqshbandiyah tariqa.

Most Mujaddidi Naqshbandis of the past two centuries traced their initiatic descent through Shaikh Ghulam Ali (or Shah Abdullah Dehlvi (d. 1824). Shaikh Ghulam Ali's Khanaqah (hospice) in Delhi drew followers not only from all parts of Indian subcontinent but also from the Middle East and Central Asia. The Khanaqah has continued to functioning down to the present, but what might be termed its Pan-Islamic function was inherited largely by representatives and successors of Shaikh Ghulam Ali who were established elsewhere in the Muslim world. Particularly important were shaikhs resident in Medina and Makkah, the holy cities served to disseminate the Naqshbandiyah tariqa in many Muslim lands until the Wahhabi conquest of the Hejaz in 1925 resulted in proscription of all tariqa activity.

Thus Shaikh Muhammad Jan al-Makki (d. 1852), Shaikh Ghulam Ali's representative in Makkah, initiated many Turkish and Bashkir pilgrims ho established new branches of the Naqshbandiyah in their homelands. The first successor of Shaikh Ghulam Ali at the Delhi khanaqah, Shah Abu Said, spent a period in the Hejaz dispensing initiations, and Abu Said's son and successor, Shah Ahmed Said, chose to settle in Medina after the failure of first Jihad of independence against the British colonists in 1857, transferring the direction of the indian Naqshbandiyah temporarily to the Hejaz.

Victory of Islam in Chechnya,

Lesson for global Muslims

Murad El-Mushtaq Ahmed Explores the underlying dynamics of Chechen independence movement from the historical perspective

Since the Russians first moved into the Kavkaz (Caucasus) following Ivan the Terrible's capture of Astrakhan in 1556, the region has been in a state of perpetual war with Russia. In 1783, Imam Mansur, a Naqshbandi Shaikh from Chechenistan,led an eight-year struggle against the czarist forces. Imam Mansur was captured in 1791 and died in prison two years later. For the next 40 years the struggle for freedom remained dormant.

Traditionally independent, with a solid warrior tradition, Chechens accepted Islam very late and gradually. During 16th and 17th centuries AD the area remained a disputed territory between Safavids of Iran and the Ottoman Caliphate.

Chechens are perhaps the only Muslims in modern history, after Iranians and the Sudanese, who have been successful in establishing an independent state where the State has derived its legitimacy from its popular Islamic roots. The popular participation (qurbani) and sacrifices (shahadat) displayed by the Chechens in order to establish the " legitimate state " ruled by "Shariah" is an unprecedent phenomenon at the end of the 20th century on the fringe of the Islamic world. The lesson that all political scientists and politicians need to learn is that globally Muslims can only be mobilised to create a "legitimate state" on the basis of "shahadat fi sabil lillah" and not on the promise of creation of an "Islamic Welfare State" as espoused by Muslim modernists and apologists.

The Muslims all over the world are willing to sacrifice their lives, wealth and children only and only if they could be convinced that the State thus established will be upholder of Shariah at all costs and does not promise any worldly benefits or creation of a cradle to grave welfare state, a concept alien in Islamic political thought. Furthermore, the very concept of welfare state is on decline all over the world. Even the richest Western nations, mired in deep fiscal crisis, are cutting back on all welfare benefits to their citizens. In fact, in the age of cut throat economic competition the welfare sate itself has become virtually unsustainable and the looming pension crisis threatens financial unsustainable and the looming pension crisis threatens financial implosion of these states.

The promise of liberal societies on the creation of "heaven on earth" looks distant with every passing day. The individualism'which the democratic process of these liberal societies promotes today threatens their social cohesion and it also is responsible for falling birth rates in them; the problem of below replaceable fertility. Hence, the continuous need for immigrants for wealth generation and to lower domestic labour costs.

The emergence of the Chechenistan is a challenge to all Muslim social and political scientists, because the whole movement is led by the brothers of the Naqshbandiyah tariqa. Until recently the political observers saw them as a passive social movement and discounted their capacity to lead a